قرآن کریم اور سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۵ شمارہ: ۱۱
ذوالقعدۃ: ۱۴۴۳ھ - جون: ۲۰۲۲ء
قیمت فی شمارہ: ۵۰ روپے، زرِ سالانہ: ۶۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مدیر
مولانا سید احمد یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک
یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ : 40 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر
اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت
ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: 92-21-34919531 +
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

سیاست کی آڑ میں دین دشمنی کی تحریک	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مکاتیب حضرت مولانا ابوالوفا افغانیؒ بنام حضرت بنوریؒ	۱۱	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
امتناعِ ربا ... وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ، توقعات وخدشات	۱۴	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
دعوتِ دین ... اہمیت اور تقاضے	۲۳	مولانا عبد المنان معاویہ
فرد اور اجتماعیت	۳۴	مولانا سید عبد الوہاب شیرازی
اسلام میں نکاح کا مربوط اور جامع نظام	۴۰	مولانا محمد ابوبکر شیخوپوری
’’سب سے پہلے مشیت کے انوار سے‘‘ کلام کا شاعر کون ہے؟	۴۵	مولانا عبد الصمد ساجد
خاندان ... تہذیب کی اولین آماجگاہ	۴۸	ڈاکٹر ساجد خاکوانی

دار الافتاء

باؤنس چیک پر وصول کیے گئے چارجز کا حکم!	۵۲	ادارہ

نقد ونظر

منتخب احادیثِ قدسیہ یعنی خدا کی باتیں .. تحفۂ طلبۂ دورہ حدیث

لطائف معراج النبی .. حیاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) .. فیوض الباري

یہ تھے اکابرِ مظاہر .. درسِ نظامی کی کتابیں کیسے حل کریں؟ وغیرہ ۵۷ ادارہ

بصائر و عبر

سیاست کی آڑ میں دین دشمنی کی تحریک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

گزشتہ چند ماہ سے پاکستان کی سیاست میں کافی ہلچل اور اُتار چڑھاؤ رہا، جس کے نتیجے میں کل کی حزبِ اختلاف آج کی حزبِ اقتدار بن گئی۔ اس تمام تر صورت حال کو قریب سے دیکھنے کے باوجود جان بوجھ کر اس پر کوئی تبصرہ یا تجزیہ ماہنامہ ''بینات'' کے صفحات پر شائع نہیں کیا گیا، صرف اس لیے کہ یہ آج کی مروجہ سیاست ہے، لیکن اسی اثنا میں چند ایسے واقعات اور شواہد سامنے آئے، جس سے یقین کی حد تک یوں محسوس ہوا کہ یہ صرف سیاست ہی نہیں، بلکہ سیاست کی آڑ میں دینِ اسلام، احکامِ اسلام اور قرآن کریم کا تمسخر اُڑایا جارہا ہے۔ دین بیزاری، دین اور اہلِ دین سے تنفُّر اور علمائے کرام سے بدظنی اور دوری کا درس دیا جارہا ہے، بلکہ شعائر اور مقاماتِ مقدسہ کی بے اکرامی اور توہین ایک سوچی سمجھی سازش اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان اور آئینِ پاکستان کو بھی بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے چند حقائق قارئینِ بینات کے سامنے لانا اور صحیح موقف قوم کے سامنے پیش کرنا ازبس ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پاکستان کی قومی اسمبلی میں پہلی بار ایک حکمران جماعت کو آئین کے تحت عدمِ اعتماد کے ذریعہ حکومت سے علیحدہ کیا گیا، وہ بھی اس طرح کہ حکمراں جماعت کی چند اتحادی جماعتوں نے حزبِ اقتدار سے علیحدگی اختیار کرکے حزبِ اختلاف کا ساتھ دیا تو حزبِ اختلاف اکثریت ملنے کی بنا پر حزبِ اقتدار بن گئی۔

معزول وزیر اعظم نے کہا کہ یہ حکومت کی تبدیلی ایک بیرونی سازش کے ذریعہ عمل میں آئی ہے اور اس کے ثبوت کے لیے میرے پاس ایک خط ہے۔ سیکورٹی پر مامور ہمارے اداروں نے ایک بار نہیں بلکہ دو بار اس پر اجلاس کیے اور انہوں نے پوری تحقیق وتفتیش کے بعد واضح کیا کہ کوئی بیرونی سازش نہیں ہوئی، مگر اس بے بنیاد دعویٰ کو بنیاد بنایا گیا اور اس پر ردِ عمل دینے کے لیے معزول جماعت سڑکوں پر نکل آئی اور پاکستانی سیاست کو ہیجانی میں مبتلا کرتے ہوئے اسلامیانِ پاکستان کو شدید قسم کے شرعی و سماجی مسائل میں مبتلا کردیا۔

۱: معزول وزیر اعظم نے جلسوں کا اعلان کیا اور جلسوں کا عنوان رکھا ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر''، یعنی نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا، گویا وہ باور کرانا چاہتے تھے کہ میں اور میری پارٹی امر بالمعروف کا مصداق اور میرے مخالف منکرات کے حامل ہیں اور باقاعدہ اپنے جلسوں میں اس آیت پر مشتمل بینرز آویزاں کیے جاتے، جن کے نیچے رقص وسرود اور ناچ گانا بھی کرایا جاتا۔ اندرون و بیرونِ ملک کسی بھی دارالافتاء اور کسی بھی دینی ادارے سے معلوم کیا جائے، کیا اس طرح کرنا قرآن کریم کی توہین نہیں؟ کیا اس عمل سے سچے پکے اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام کی دل آزاری نہیں ہوئی؟ ہر باشعور اور صاحبِ عقل آدمی اس کو قرآن کریم کی توہین ہی قرار دے گا اور کوئی بھی مسلمان جس کے ہوش وحواس سلامت ہوں، اس کو بالکل برداشت نہیں کرے گا۔

۲: اسی جماعت کا ایک جلوس صوبہ خیبر پختون خوا کے ایک شہر تیمر گرہ میں مسجد کے قریب سے گزرا تو جلوس میں شامل چند افراد نے مسجد میں گھس کر قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے ایک عالم دین پر تشدد کیا اور اس کی داڑھی کے بال کاٹ دیئے۔ اب بتایا جائے کہ یہ کون سا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے؟ یہ تو قرآن کریم کی زبان میں ''اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ''، یعنی ''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری باتیں (یعنی کفر ومخالفتِ اسلام) کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات (یعنی ایمان واتباعِ نبوی) سے منع کرتے ہیں۔'' کا پورا پورا مصداق ہے۔ اور سچ فرمایا نبی کریم ﷺ نے:

''عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سيأتي على الناس سنوات خدعات يصدق فيها الكاذب و يكذب فيها الصادق و يؤتمن فيها الخائن ويخون فيها الأمين و ينطق فيها الرو يبضة، قيل: وما الرو يبضة؟ قال: الرجل التافه في أمر العامة.'' (سنن ابن ماجہ، باب الصبر علی البلاء، حدیث: ۴۰۳۶)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر مکر وفریب

والے سال آئیں گے، ان میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا، خیانت کرنے والے کو امانت دار اور امانت دار کو خائن قرار دیا جائے گا اور اس زمانہ میں ''رویبضہ'' بات کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: ''رویبضہ'' کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیر اور کمینے آدمی جو لوگوں کے (دینی، سیاسی، معاشی) امورِ عامہ میں بات کریں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی تقریباً حرف بہ حرف پوری ہورہی ہے۔ آج کی سیاست کے علم بردار سوشل میڈیا، ٹاک شوز اور وی لاگ وغیرہ کرنے والے مردوزن کے درمیان اس حدیث کا مصداق نظر آتے ہیں۔

۳: اسی جماعت کا ایک سابق وزیر اور کے پی کے کا سابق وزیر اعلیٰ پرویز خٹک صاحب اپنے ایک بیان میں کہتا ہے کہ: ''جو علماء کرام منبر پر بیٹھ کر سیاست کی بات کریں، ان کو منبر سے اُتار کر مسجد سے باہر پھینک دیں۔'' اب آپ بتائیے کہ! یہ کون سا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جس کا درس یہ شخص دے رہا ہے؟ یہ تو سراسر اپنے کارکنوں کو اشتعال پر اُکسا رہا ہے اور محلہ محلہ اور قریہ قریہ فتنہ وفساد برپا کرنے کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کے ساتھ بغض وعداوت اور ان کے خلاف نفرت انگیزی کا عملی سبق پڑھا رہا ہے۔ خود سوچیے! کیا ایک مسلمان یہ بات منبر ومحراب سے وابستہ علمائے کرام کے بارہ میں کرسکتا ہے؟ علمائے دین کے بارہ میں ایسا خبث اور بغض رکھنے والے کو کون باور کرائے کہ سیاست کرنا دراصل کام ہی علمائے کرام کا ہے، کیونکہ صحیح بخاری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ.''

(صحيح البخاري، بَاب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، رقم الحديث: ۳٤٥٥)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاسی رہنمائی بھی کیا کرتے تھے، جب بھی ان کا کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرے اُن کی جگہ آ موجود ہوتے، لیکن یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ہاں! میرے نائب ہوں گے اور بہت ہوں گے۔''

اور علمائے کرام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

''إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ.'' (سنن الترمذی، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة)

''یقیناً علماءِ انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں۔''

علمائے کرام جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّٰی اور منبر ومحراب کے وارث ہیں، جو کہ امامتِ

صغریٰ کہلاتی ہے، اسی طرح زمامِ حکومت سنبھالنے میں بھی حضور اکرم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے نائب ہیں، جو کہ امامتِ کبریٰ کہلاتی ہے۔ اگر ہر مسلک اور ہر مکتب سے وابستہ علمائے کرام اس بات کو سمجھ جائیں اور فروعی اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر عوام الناس کو اس بات کا بھرپور شعور اور آگاہی دیں کہ جو لوگ قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی سنت کا علم رکھتے ہیں، وہ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات جو کہ سب کے سب حقوق اللہ اور حقوق العباد کے زمرہ میں آتے ہیں، وہ اس کو بھی خوب جانتے ہیں۔ اسی طرح سیاستِ مدنیہ جس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہوتے ہیں، ان سب کے حقوق کا زیادہ علم رکھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو زیادہ جانتے ہیں۔ الحمدللہ! ماضی وحال سب اس پر گواہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی علمائے کرام اور دین شناس لوگ برسرِ اقتدار آئے ہیں، اقلیتیں اپنے آپ کو ان کے دور میں زیادہ محفوظ سمجھتی رہی ہیں۔

۴: اس جماعت کے جلوسوں میں شامل گاڑیوں پر ایسے اسٹیکر لگے ہوئے دیکھے گئے ہیں جو نعوذ باللہ! ایک مسلمان نہ تو یہ سوچ سکتا ہے اور نہ ہی نعوذ باللہ! ایسا کام کرسکتا ہے، ضرور ان جلوسوں میں قادیانی اور دین دشمن لوگ ہی ایسا کام کررہے ہیں، وہ اسٹیکر اس طرح کہ جناب عمران احمد خان کی تصویر کے ساتھ لکھا ہوا ہے: Peace Be Upon Him (صلی اللہ علیہ وسلم) نعوذ باللہ من ذٰلك.

اور ایسے ٹویٹ کیے جارہے ہیں جن پر لکھا ہے:

۱: ''مجھے تو لگتا ہے ہمارا خدا بھی چوروں کے ساتھ مل گیا ہے، کہاں ہے خدا کی مدد؟ کیوں نہیں حق پر چلنے والوں کا ساتھ دے رہا؟ حق اور باطل کی جنگ میں باطل کو سزا کیوں نہیں ہورہی؟!''

۲: ''شکریہ عمران خان، ٹیم کو واپس اپنے پاؤں پر کھڑا کردیا اور تم عمران کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

۳: ''اس جنگ میں خاندان اور شخصیت تو کیا ہم اسلام بھی چھوڑ دیں گے، اگر عمران خان حکم دے کہ اسلام چھوڑ دو، ہم چھوڑ دیں گے۔''

۴: ''اگر اس دور میں نبوت ہوتی تو خدا کی قسم! عمران خان اس وقت کا پیغمبر ہوتا۔''

نعوذ باللہ من ذٰلك! اب آپ خود سوچیں! جن لوگوں کا یہ ذہن بنادیا گیا ہو، وہ اہلِ کفر اور اہلِ فتن کے کتنا قریب ہوچکے ہیں اور اسلام دشمنوں کے لیے کتنا زمین ہموار ہوچکی ہے۔

۵: اسی جماعت کی سابقہ وفاقی وزیر شیریں مزاری صاحبہ نے ۲رمئی ۲۰۲۲ء کو اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کی سربراہ کو خط لکھا ہے اور اس میں علانیہ طور پر عالمی ادارے سے ملک میں مداخلت کی درخواست کی ہے اور کہا ہے کہ: ''پاکستان کی موجودہ حکومت توہینِ مذہب کے قوانین کو

سیاسی جبر اور مخالفین کو کچلنے کے لیے استعمال کر رہی ہے، جو کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتا ہے۔‘‘

آپ خود سوچیے کہ! مغربی ممالک پہلے ہی اس قانون کو ختم کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، جب پاکستان میں موجود ایسے لوگ سیاست کی آڑ میں اُن کو خطوط لکھیں گے، وہ اس قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کریں گے؟ وہ تو پہلے سے ہی یہی چاہتے ہیں، حالانکہ اسی قانون کی رو سے اقلیتی برادری کے عبادت خانے بھی محفوظ ہیں۔ اگر یہ خط شیریں مزاری صاحبہ نے اپنی طرف سے لکھا ہے، تب بھی غلط ہے اور اگر پارٹی کی مرضی سے لکھا ہے، تب بھی غلط ہے۔ اس سے صرف اور صرف ہمارے ملک پاکستان کی بدنامی ہوگی، اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

۶: بہرحال معزول حکمران جماعت نے حکومت میں ہوتے ہوئے بھی پاکستان کو خوشحال بنانے میں اپنا کوئی کردار ادا نہیں کیا، صرف مخالفین کو دھمکانے اور جیل بھجوانے کے لیے ہی تگ و تاز کرتے رہے اور یہ کہ فلاں چور ہے، فلاں چور ہے، اسی پر پورا وقت صرف کیا اور چور چور کی اتنا گردان کی کہ تحریک انصاف کے ورکرز بھی یہی کچھ کہنے لگے۔ کسی نے صحیح کہا کہ جناب عمران خان صاحب کے پاس اپنی حکومت کی کارکردگی بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے کہ دوسروں کی پگڑیاں اُچھالتے رہے۔ پاکستان تحریک انصاف اپنے حکومتی دور میں نام تو ریاستِ مدینہ کا لیتی رہی، لیکن ہر کام دین کے خلاف ہی کرتی رہی۔ اب چونکہ اتحادی حکومت نے میاں شہباز شریف کو وزیر اعظم منتخب کیا، یہ بات عمران خان کو پسند نہیں تھی، اس کی آڑ میں اندرونِ ملک تو یہ سب کام کر ہی رہے تھے، لیکن جب سعودی حکومت کے ولی عہد جناب محمد بن سلمان حفظہ اللہ نے میاں شہباز شریف اور اس کی کابینہ کے چند وزراء کو اپنے ہاں مدعو کیا تو ذرائع ابلاغ کے مطابق پہلے سے شیخ رشید نے کہا کہ دیکھنا حرمین میں عوام ان کا کیسے استقبال کرتے ہیں؟ پھر منصوبہ بندی کے تحت برطانیہ اور امریکا سے دو درجن سے زائد لوگ مسجد نبوی میں بھیجے گئے، جن میں انیل مسرت قادیانی اور دوسرا جہانگیر عرف چیکو ان سب کی سرپرستی کر رہے تھے۔ رمضان مبارک کا مہینہ، شبِ قدر اور پھر مسجد نبوی کا حرم، اس میں ایسی ہلڑ بازی کی گئی کہ ادنیٰ مسلمان جس میں رتی بھر ایمان کی رمق اور غیرت ہو، وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ میڈیا کے ذریعہ یہ روح فرسا مناظر پوری دنیا نے دیکھے اور اس پر تمام مسلمانوں کے قلوب مجروح ہوئے اور ان کی دل آزاری ہوئی۔ اس پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن اور ان کی جماعت نے تمام مسلمانوں کی طرف سے فرضِ کفایہ کے طور پر تقدسِ حرمِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے عنوان پر ۱۹؍مئی ۲۰۲۲ء کو کراچی میں اور ۲۱؍مئی ۲۰۲۲ء کو پشاور میں بڑے بڑے جلسے منعقد کیے،

جس میں بلا مبالغہ لاکھوں لوگ شریک ہوئے، اس میں قائدِ ملتِ اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا:

’’میرے محترم دوستو! آپ کو یاد ہوگا جب مسجد اقصیٰ پر یہودی درندوں نے، صہیونی دہشت گردوں نے جارحیت کی تھی تو پاکستان میں کراچی کی سرزمین پر جمعیت علماء اسلام نے ایک بہت بڑا احتجاجی مظاہرہ کیا، پاکستان میں ایک خاص لابی یہ درس دے رہی تھی کہ اسرائیل کو تسلیم کرنا چاہیے، لیکن آپ کے اس ایک جلسے نے، آپ کی اس ایک آواز نے اس لابی کے نظریے کے مقابلے میں ان کی زبانیں ایسی خاموش کیں کہ پھر پاکستان کی سرزمین پر، کسی ایک فورم پر بھی اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کرنے کی کوئی جرأت نہیں کرسکا۔ اللہ نے آپ کی آواز میں تاثیر رکھی ہے، آپ کی آواز میں اللہ تعالیٰ نے ایک رعب اور دبدبہ رکھا ہے۔

آج میرے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ اقدس کی بے حرمتی اسی یہودی لابی کے ایجنٹوں نے کی، پہلا حق آپ کا تھا، اسی لیے آپ اسی میدان میں اکٹھے ہوئے اور ان قوتوں کو للکارا کہ آئندہ اگر تم نے حرم اقدس کی حرمت کی توہین کا ارتکاب کیا تو ہم تمہاری زبانوں کو کھینچ لیں گے اور تمہیں ایسا سبق سکھائیں گے کہ تم رہتی دنیا تک یاد رکھو گے۔ یہودیوں نے مدینے کی بے حرمتی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا: ’’أخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب‘‘ کہ یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دو۔ اگر آج اس کے ایجنٹوں نے مدینے کی حرمت کو پامال کیا تو ایجنٹو! یاد رکھو تمہیں ہم نہیں چھوڑیں گے اور تمہیں کیفرِ کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔

مکہ والوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کہا تھا کہ: یہ لاوارث ہے۔ لیکن قیامت تک کے لیے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی اُمت عطا کی ہے کہ آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ایک گیا گزرا گنہگار اُمتی بھی اپنے نبی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حرمت پر جان قربان کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ ان ایجنٹوں نے مکہ والوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاوارث سمجھا ہوا ہے، دنیا کی آبادی کا چھٹا حصہ اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناموس پر قربان ہونے کے لیے تیار ہے۔ ایک ارب سے زیادہ آبادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔ تم ہوتے کون ہو؟! تم کس باغ کی مولی ہو؟! تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، اگر تم نے آئندہ کے لیے اس طرح سوچا بھی تو۔ ہم تحمل اور برداشت کے لوگ ہیں، ہم نے ہر مشکل کو بڑے صبر، تحمل، برداشت کے ساتھ عبور کیا، لیکن یہی وہ مقام ہے، یہی وہ منزل ہے، یہی حرمتِ رسول کا وہ مقام ہے جہاں صبر کا بندھن ٹوٹ جاتا ہے، جہاں تحمل کا بندھن ٹوٹ جاتا ہے، جہاں برداشت نام کی کوئی چیز نہیں

رہتی.... لیکن میں آپ کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں یہ نالائق اور ذہنی بیمار ہے، وہاں پر یہ فتنہ گر بھی ہے۔ ایسے پیروکار اس نے پیدا کر لیے ہیں کہ اگر وہ نعوذ باللہ... اللہ ہونے کا دعویٰ کرے تو کہیں گے ہم پھر بھی ان کے ساتھ ہیں، خود کہتا ہے: اللہ نے جو پیغام پیغمبر کے پاس پہنچایا، اسے لوگوں تک پہنچایا، تم بھی میرا پیغام لوگوں تک پہنچاؤ۔ کبھی خود کو اللہ کے ساتھ برابری پر، کبھی خود کو پیغمبر کے ساتھ برابری پر۔ اور اس کے پیروکار کہتے ہیں کہ: ''اگر وہ نبوت کا دعویٰ کرے، تب بھی ہم ان کے ساتھ ہیں۔'' کبھی کہتا ہے: ''اللہ نے پیغمبر کی تربیت کی، اس کو نبوت کے لیے بنایا، اب میری بھی تربیت کر رہا ہے۔'' اس فکر اور اس سوچ کا آدمی پاکستان میں سیاست کرے گا؟ اسے کہتے ہیں ''دجل'' دجل سے دجال.... دجال جب آئے گا تو اس کے ماتھے پر ''ک ف ر'' لکھا ہوگا، لیکن اس کے دَم سے بارش بھی ہوگی، مردے بھی زندہ ہوں گے، جہاں تھوک پھینکے گا وہاں سے سبزہ بھی اُگے گا، کرامات بھی دکھائے گا، لیکن ہوگا دجال' فتنہ، تو میں آپ کو اس فتنے سے بھی ڈرانا چاہتا ہوں اور متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم خواہ مخواہ اس کے خلاف میدان میں نہیں آئے، اور آج ہماری طرح کے کچھ مذہبی رنگ والے لوگ، ان کے آگے پیچھے پھر رہے ہیں، ان کو یہ دین سکھائے گا، جو مولوی بے چارہ اس قدر یتیم ہو جائے کہ اسے عمران خان کے سایہ کی ضرورت ہو، اس کی یتیمی پہ رحم آتا ہے۔ یہ لوگوں کو دین سکھائے گا؟! ان شاء اللہ! ہم ایسی فکر، ایسے عقیدے، ایسے نظریئے اور ایسے فتنے کا خاتمہ کریں گے۔ اگر ہم قادیانی فتنے کے خلاف اس کے پیروکاروں کے خلاف جنگ لڑ سکتے ہیں اور تاقیامت جنگ لڑنے کا عہد کیا ہے تو یہ کیا چھوٹی موٹی فتنیاں ہمارا مقابلہ کریں گی۔ ان کو تو ایک ضرب سے ہم نے ہٹایا ہے اور ایک ضرب سے ان کو دفن کریں گے، ان شاء اللہ۔

میرے محترم دوستو! ان کے جلسوں سے ڈرنا نہیں چاہیے، ان کے پیروکاروں سے بھی ڈرنا نہیں چاہیے۔ میری شرافت مجھے ان پر تبصرہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ (لوگوں سے) کہتا ہے: عمرے پر کیوں گئے؟ تمہیں میرے جلسوں میں میرے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ ناچ گانوں کی محفل میں تمہیں کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ تمہیں عمرے پر جانے کی کیا ضرورت تھی؟!''

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جنہوں نے زندگی بھر عمرہ نہیں کیا، جنہوں نے زندگی بھر مدینہ منورہ نہیں دیکھا، آج اس موقع پر آپ کے برطانیہ کے پی ٹی آئی کا صدر اور جہانگیر عرف چیکو پہلی مرتبہ کس پروگرام، کس سازش کے تحت مدینہ منورہ آئے تھے؟ شیخ رشید صاحب نے ایک دن پہلے کہہ دیا تھا کہ مدینہ میں ایسا ہوگا.... تم حرمِ نبوی کی توہین کرنے کی پلاننگ کرتے ہو۔ سیاست کرنی ہے پاکستان میں کرو۔ تمہاری طاقت ہے تو پاکستان میں آؤ۔ پاکستان میں تو ہم نے تمہیں گردن سے اُٹھا کر پھینک دیا، اب باہر جا کر بدمعاشیاں

اور شیطانی کرتے ہو۔ یہاں آؤ! مقابلہ کرو، ہم تمہیں دکھائیں گے کہ تمہاری اوقات کیا ہے؟

میرے محترم دوستو! اس فتنے سے الگ ہوجاؤ، ہم ہمدردی کے ساتھ آپ سے بات کررہے ہیں کہ کوئی مسلمان پاکستان کی تباہی میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ ملک کی تباہی میں اس کے ساتھ کوئی تیار نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں! میں جانتا ہوں اور اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ملک کے اندر ایک ایلیٹ کلاس ہے (اشرافیہ)، ان کے گھروں میں آنٹیاں عمران کے جانے پہ آنسو بہارہی ہیں۔ بھائی! یہ صرف آنسو نہیں ہیں، پتہ چل رہا ہے کہ کون کون سے خاندان اور کون کون سے گھرانے ہیں جو اس بین الاقوامی نیٹ ورک کے ساتھ وابستہ رہے ہیں اور آج اُن کے گھر میں ماتم ہے۔ اس سے ہمیں پتہ چل رہا ہے کہ کس کس کی ماں مری ہے، اور ان شاء اللہ! ہم لڑیں گے، اس بات کو چھوڑیں گے نہیں۔ ورنہ لوگ تو کہتے ہیں کہ اب آپ کی حکومت آ گئی ہے، اب آپ کو جلسہ کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کہتے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: ’’وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ‘‘ فتنے سے لڑنا ہے، جب تک فتنے کو دفن نہیں کریں گے، جب تک سمندر برد نہیں کریں گے، ان شاء اللہ! یہ نظریہ، یہ پرچم، یہ حق بلند رہے گا۔ دوسو سال سے انگریزوں کے خلاف سربلند یہ پرچم لہراتا لہراتا آج پاکستان کے نوجوان کے ہاتھ میں ہے اور ان شاء اللہ! منزل حاصل کرکے رہے گا۔ اللہ ہمارا مددگار رہو، اللہ ہمارا حامی وناصر ہو......۔‘‘

بہرحال ماہنامہ ’’بینات‘‘ کے توسُّط سے ہم بطور خیرخواہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ اس دین بیزار جماعت کے سحر میں آئے ہوئے ہیں، انہیں چاہیے کہ اپنے دین، ایمان، خصوصاً حضور اکرم ﷺ کی ذات کو مقدم رکھیں، جو حضور اکرم ﷺ کے دین اور حضور ﷺ کی عزت وحرمت اور آپ کی ناموس کا خیال نہ رکھے، جو سیاست کی آڑ میں دین دشمنی کی تحریک چلائے، وہ نہ دنیا میں رفاقت وحمایت کا مستحق ہے اور نہ ہی آخرت میں نجات پاسکتا ہے۔ پس قبل اس کے کہ یہ لوگ کسی فتنہ کی شکل اختیار کریں، آپ اپنے دین و ایمان اور اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کی خاطر ان کے ایسے تمام کاموں سے کنارہ کش ہوجائیں، تاکہ ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (ﷺ) آخرت کے دن راضی رہیں۔

إن أريد إلا الإصلاح مااستطعت وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقهٖ سيدنا محمد وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ أجمعين

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیب حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمہ اللہ

بنام حضرت بنوری رحمہ اللہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مکتوب حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمہ اللہ بنام حضرت بنوری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از جلال کوچہ نمبر ۴۶۵ حیدرآباد دکن

پنج شنبہ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۷۶ھ

عزیزِ محترم مولوی یوسف صاحب دام مجدُہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مودت نامہ وصول ہوکر موجبِ طمانیت ہوا، مگر وہ ایسی حالت میں پہنچا کہ میں انتہائی رنج والم میں مبتلا ہوں۔ رضا بقضا عزیزم مولوی مخدوم علی بیگ (معتمدِ مجلس، جنہوں نے عمروں بڑے خلوص سے میری خدمت کی، اور مجلس کے لیے علمی ودفتری کاموں میں سرگرم، معتمد ورکن تھے) یومِ شنبہ ۲۲ ربیع الاول کو دو گھنٹے کی علالت میں اچانک راہیِ دارالقرار ہوکر مجھے اور اپنے بچوں کو بے سہارا چھوڑ گئے، اللہ تعالیٰ ان کو ان کی دینی خدمت کے عوض جنت الماویٰ نصیب کرے، آمین اور اس گنہگار کی جانب سے جزائے خیر عطا کرکے درجات بلند فرمائے، آمین!

بہت سے علمی کاموں میں رکاوٹ آگئی، من جملہ اس کے مقابلہ (تقابل) رک گیا، جو کہ روزانہ منقولہ کتب کا اصل سے ہوتا تھا، اس کے وہ بڑے ماہر تھے، ایک بیوی اور تین بچے، ایک بچی، ایک ہفدہ (سترہ) سالہ، دوسرا پانزدہ (پندرہ) سالہ، تیسرا دوسالہ، اور ۵ سالہ بچی بالکل بے سہارا رہ گئے، کل تک جن کے گھر میں ۳۵۰ روپیہ کی آمدنی تھی، آج بے برگ وگیاہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں اس

بڑھاپے میں حیران و پریشان بیٹھا ہوا ہوں۔ آپ سے استدعا ہے کہ بچوں کے علم وصلاح و رزق کے لیے اپنی خلوات وجلوات میں دعا فرمائیں، تاکہ اللہ ان کی زندگی ان پر آسان کردے، بچے دونوں قرآن کریم یاد کررہے ہیں، ایک اٹھارہواں، دوسرا چھبیسواں پارہ یاد کررہا ہے، بڑا اصرفِ میر، شرح مائۃ عامل بھی پڑھ رہا ہے۔

اصول کی قیمت ہند میں بیس روپیہ ہے، اس سے پاکستان میں سستی ہونا مجلس کا خسارہ ہے، اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہم وہاں کے لیے اس کے معادل (مساوی) روپیہ قیمت میں مقرر کرتے۔ آپ کے والد صاحب کی حالت بہت دن سے معلوم نہ تھی، ان کی زندگی وصحت کی خبر سے بڑا اطمینان ہوا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بزرگوں کو بندوں کی رحمت کے لیے باقی رکھے، آمین! عزیزم مولوی عبدالرشید صاحب (نعمانی) کو مولوی مخدوم بیگ مرحوم کی وفات کی خبر دے دیجیے۔ والسلام: ابوالوفا

نوٹ: یہ مکتوب کارڈ پر ہے، اوراس پر نام و پتہ یوں درج ہے: بخدمتِ گرامی جناب مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری، المدرسة العربية، جامع مسجد نیوٹاؤن، کراچی (پاکستان غربی)

از جلال کوچہ نمبر ۴۶۵، حیدرآباد دکن

پنج شنبہ ۶/رجب سنہ ۷۶ھ

عزیزِ محترم مولانا سید محمد یوسف متّع الله المسلمين بطول حياته، آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس وقت میں ایک بہت ہی اہم کام کے متعلق آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، غور کرکے ہمدردی کی رائے دیجیے۔ مصر سے شیخ رضوان کا خط آیا ہے، جس میں لکھا ہے کہ وہ اب وہاں (مجلس إحياء المعارف النعمانية کی مطبوعہ) کتابوں کا انتظام نہیں کرسکتے، اس لیے اب مجلس میں طے ہوا ہے کہ کتابوں کو ہم منگالیں، اگر آپ ایسا کرسکتے ہیں کہ کراچی، لاہور، ملتان، پشاور کے کتب فروشوں (میں) سے معتمد، بادیانت اشخاص کے پاس کمیشن سے کتابیں رکھوائیں تو اپنی مقدار راست کتابیں آپ کے پاس روانہ کردی جائیں گی، تاکہ وہ وہاں بھی اسی قیمت سے پڑیں، جس سے یہاں پڑتی ہیں، ورنہ پھر یہاں سے منگانے کے بعد مزید کرایہ کا بار وہاں کے خریداروں پر ہوگا۔ علاوہ ازیں اب ہندوستان کے علماء وطلباء کتابیں بہت کم خریدتے ہیں، بلکہ مفت حاصل کرنے کے واسطے سعی کرتے ہیں، اور وہاں فروخت ہوجاتی ہیں، اس لیے ان کتب کا ایک معتد بہ حصہ وہاں رکھوانا مناسب ہوگا، بشرطیکہ کتابیں ضائع نہ ہوں، اور باقاعدہ ان کا حساب وکتاب رکھا جائے، اس لیے آپ سوچ کر بہت جلد

جواب دیجیے، تا کہ ہم مصر کو اس کے متعلق لکھ سکیں۔ اُمید ہے کہ مع اہل وعیال بعافیت ہوں گے، اور امتحان بھی شروع ہو چکا ہوگا، جس سے آپ عنقریب فارغ ہوں گے۔ والسلام: ابوالوفا

یوم پنج شنبہ ۲۰/ ماہِ مبارک رمضان سنہ ۷۷ھ

سیادت مآب عزیزِ محترم مولوی سید محمد یوسف صاحب دام مجدُہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اُمید کہ مزاجِ مبارک بعافیت ہوگا، ماہِ شعبان میں آپ کا کرم نامہ وصول ہوا، جس میں وہ مصائب واعذار درج تھے، جس کی وجہ سے جوابات میں دیری ہوتی ہے، ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مصائب کا دور ہے:

لیکن مشکلے نیست کہ آساں نشود — مرد باید کہ ہراساں نشود

(ایسی کوئی مشکل نہیں جو آسان نہ ہو، لیکن انسان کو پریشان نہ ہونا چاہیے۔)

یہاں کے مصائب کچھ کم نہیں، مصائب تو منقضی (ختم) ہوتے جاتے ہیں، مگر پیری میں اس کا تحمل، دُگنی مصیبت کا تحمل ہوتا ہے، اور وہ منقضی ہونے نہیں پاتے کہ خود عمر ہی منقضی ہوجاتی ہے، اور نہ معلوم بعد ازاں کتنی مشکلات کا سامنا ہے، فیا لیتها بعدها ما الدّار!

آپ سے شکووں کا مطلب یہ (ہے) کہ معاملات میں جلدی کی جائے، تاکہ مرنے کے بعد ذمہ داری باقی نہ رہے۔ پرسوں دوشنبہ ۱۷/ ماہِ مبارک کو مولانا محمد میاں صاحب کے فرزند (بظاہر مولانا حامد میاں صاحب، بانی جامعہ مدنیہ، لاہور) نے کہ یہاں تشریف لائے تھے، آپ کی جانب سے ساڑھے تین سو روپیہ بحقِ انجمن جمع کرادیئے، جزاكم الله عن العلم وأهله خير الجزاء! بَخٍ بَخٍ! یہ آپ کا زریں علمی کارنامہ ہے، اب حساب باقی رہ گیا ہے۔ اسے بھی ان دنوں فرصت میں روانہ کردیں تو یکسوئی ہوجائے گی، شوال سے آپ پھر مشغول ہوجائیں گے۔ حضرت مولانا مفتی (مہدی حسن شاہ جہانپوری) صاحب کو ایک کارڈ ضرور لکھنا (ہے) کہ ''كتاب الحجة'' کے اوراق واپس فرمائیں۔ آپ کے اہل وعیال کی عافیت سے بھی مطلع کرنا اور سب کو دعا وسلام فقیر کی جانب سے پہنچانا۔

والسلام ودُمْتُم بالخیر

ابوالوفا

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

امتناعِ رِبا ... وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

توقعات وخدشات

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
استاذ وناظم تخصص فقہِ اسلامی، جامعہ

وفاقی شرعی عدالت نے مؤرخہ ۲۶ رمضان ۱۴۴۳ھ کو وطنِ عزیز میں سود کے خاتمے کا خوش کن، خوش آئند اور خوشنما فیصلہ صادر فرمایا، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامیت اور اس کے فروغ کو ہمیشہ پاکستان کا مقصد ومقدر سمجھ کر سراہا جاتا ہے، اس فیصلہ کو بھی اسی تناظر میں دیکھا، سمجھا اور عام کیا جارہا ہے، مختلف اہلِ علم اور اربابِ دانش کے قیمتی نقطہائے نظر سامنے آچکے ہیں اور آرہے ہیں۔

اسلامیانِ پاکستان اس فیصلے سے جتنی خوشیاں اور توقعات قائم کیے ہوئے ہیں، اس سے بڑھ کر بعض دوراندیش حلقے اس نوعیت کے سابقہ فیصلوں کے تاریخی تناظر میں کچھ ایسے خدشات بھی سامنے رکھ رہے ہیں، جو اس نکتے پر مبنی ہیں کہ ماضی کی طرح یہ فیصلہ بھی بعض فنی یا انتظامی پیچیدگیوں کی نذر ہوکر بے اہمیت ہوسکتا ہے۔ اللہ کرے ایسا نہ ہو۔

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس فیصلے پر عمل درآمد کی شروعات سے قبل اس فیصلے کے بارے میں توقعات اور خدشات کا واقعاتی اور فقہی جائزہ لیا جائے، ممکن ہے بااثر سنجیدہ حلقے ایسے اُمور کا مخلصانہ اور خیرخواہانہ جائزہ لے کر اس فیصلے اور اس طرح کے دیگر قابلِ تعریف فیصلوں کو ان کی حقیقی افادیت سے ہم کنار کرنے میں کردار ادا کرسکیں۔

بلاشبہ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ مجموعی لحاظ سے قابلِ تعریف ہے اور اس کے مندرجہ ذیل تعریفی وتحسینی گوشے بالکل واضح ہیں:

①: اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں اور معاملات میں چوں کہ سب سے زیادہ سنگینی ’رِبا

کے بارے میں وارد ہوئی ہے، امتناعِ رِبا کا یہ حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ کے عظیم منشا کی تکمیل ہے جو ہر مسلمان کا اولین فریضہ اور ایمان کا تقاضا ہے، اس فیصلے کو یہاں تک پہنچانے والے تمام محرکین بالخصوص اس فیصلے میں شریک جج صاحبان اور ان کے علمی، قلمی اور قانونی معاونین سب ہی اجر وثواب اور شکر وسپاس کے مستحق ہیں۔

②: یہ فیصلہ صرف حرمتِ رِبا کے بیان تک محدود نہیں ہے، بلکہ اسلام کے مکمل نظام کی ترویج وتنفیذ کی ترغیب وتلقین سے بھی معمور ہے، اس ترغیب وتلقین کا واضح مفاد یہ سمجھنا چاہیے کہ رِبا اپنی ادارتی شکل (بینکاری) سے اگر ختم ہو بھی جائے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کا معاشی نظام صرف نقدی کے لین دین کے احکام تک محدود نہیں ہے، بلکہ انسانی معاش کے تمام ذرائع کے بارے میں حلت و حرمت کی تفصیلات کا حامل بھی ہے، ان تفصیلات سے آگاہی اور ان کی معاشی تطبیق بھی امرِ شرعی اور ملکی قانون کا درجہ رکھتی ہے، چنانچہ اس فیصلے کے اچھے اثرات کے طور پر شعبۂ معاش کی ہر شاخ سے وابستہ لوگوں کو اپنے اپنے ذرائعِ معاش میں حلال وحرام کی پاسداری کرنا ہوگی۔

③: عدالتی فیصلے میں سود کے رائج الوقت نظام کی موجودگی پر اسلامی وقانونی نقطہ ہائے نظر سے تحفظات کا متعدد بار اظہار فرمایا گیا ہے، جو اس لحاظ سے خوش آئند اور قابلِ تقلید ہے کہ ہمارے قانونی اور انتظامی امور میں شرعی عدالت کے معزز جج صاحبان کی طرح دیگر اہلِ علم اور اصحابِ رائے بھی اس کارِ خیر میں اپنا اپنا حصہ ملا رہے ہیں، کیوں کہ ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ اپنے اپنے دائرہ کار میں اسلامی پاکستان کے مسلمان حکمرانوں کو شریعت اور قانون کی روشنی میں رِبا کے نظریاتی و انتظامی خطرات سے ضرور آگاہ کرتے رہا کریں، بالخصوص سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر دینی راہ نمائی کی مجاز اتھارٹیز کو اس حوالے سے بیدار رہنا چاہیے۔

④: مذکورہ فیصلے میں بینکاری سود سے احتراز کے حکم کے ساتھ ساتھ اسلامی متبادل کی طرف جانے کی تلقین بھی بارہا فرمائی گئی ہے، یقیناً کوئی بھی احترازی حکم، اس کے متبادل کی تلقین اور اس تک رسائی کے بغیر غیر مفید، غیر مؤثر بلکہ ناقص ہی شمار ہوگا، گو متبادل کی پیش کردہ نفس الامری مثالیں اور مجوزہ راستہ بجائے خود محلِ بحث ہے، جس پر آگے گفتگو کریں گے، ان شاء اللہ۔

⑤: یہ عدالتی فیصلہ جہاں تک ہم نے دیکھا اور سمجھا ہے ان اشکالات اور اعتراضات سے بھی تعرض کر رہا ہے، جو اعتراضات لگا کر ۲۰۰۲ء میں سپریم کورٹ کے شریعہ بنچ کے تاریخی فیصلے کو

نظرِ ثانی کے لیے واپس کیا گیا تھا، جس کی نظرِ ثانی پر دو دہائیوں کا وقت لگا اور آج یہ فیصلہ دیکھنے کو میسر آیا۔

تاہم یہ اعتراضات زیادہ تر قانونی یا انتظامی نوعیت کے تھے، اب یہ فیصلہ قانونی ماہرین اور انتظامی ذمہ داروں نے دینا ہے کہ آیا وہ اعتراضات واقعاتی نوعیت کے تھے یا امتناعِ رِبا کے حکم اور اثر سے فرار کے بہانے تھے۔ موجودہ عدالتی فیصلہ بظاہر اس تشخیص وتعیین سے صرفِ نظر کرتے ہوئے خاموش ہے، جوکہ باعثِ تشویش بھی ہے، علاوہ ازیں اس فیصلے کی بابت چند مزید تشویشات بھی درپیش ہیں جو اس فیصلے کو ہر فورم پر مؤثر اور قابلِ قبول بنانے میں حائل ہیں، جن کا ازالہ درکار ہے، مثلاً:

❶: وطنِ عزیز میں نفاذِ اسلام اور احکامِ اسلام کے فروغ کی کوششیں اور باتیں تقریباً ہر دور میں ہوتی رہی ہیں، ہماری معزز عدالتوں نے اس سے قبل بھی اس نوعیت کے کئی گراں قدر فیصلے صادر فرمائے تھے، مگر حکامِ وقت نے ان فیصلوں کو تنفیذ و پذیرائی بخشنے کی بجائے انتہائی غیر ذمہ دارانہ بلکہ مجرمانہ رویے اپنائے تھے، جن کی پاداش میں وہ فیصلے محض دستاویزات بن کے رہ گئے۔ اگر حالیہ فیصلے کے بارے میں حکامِ وقت نے یہی سابقہ روش باقی رکھی تو یہ فیصلہ بھی سابقہ دستاویزات میں اضافہ کے بجز کچھ نہیں ہوگا۔ عدالتِ عالیہ کے حالیہ فیصلے میں اگر اس نوعیت کے سابقہ فیصلوں اور حکمرانوں کے رویوں کی تاریخ کا اعادہ نہ کرنے کی بابت کوئی حکم ہوتا تو یہ فیصلہ شاید سنجیدگی کے ساتھ عمل درآمد کی طرف گامزن ہوسکتا، مگر خدشہ یہی ہے کہ یہ فیصلہ بھی ماضی کی تاریخ کا حصہ بننے جارہا ہے، اس کی کوئی روک تھام ہوسکے تو کرنی چاہیے۔

❷: اس فیصلے پر ماضی کے تناظر میں تشویشات اس لیے بھی زیادہ محسوس ہورہی ہیں کہ گزشتہ ادوار میں ملکی معیشت سے سود کے خاتمے کے فیصلہ اور مشورے کے ہمراہ موجودہ سودی سیٹ اَپ کو برقرار رکھنے کے لیے ایک مدت ومہلت مقرر کی جاتی تھی، کبھی ۹۰ دن، کبھی سال اور کبھی تین سال، مگر حالیہ فیصلے میں یہ مدت ۵ سال تک وسیع کی گئی ہے (۱)، اس مہلت کے بارے میں جہاں ماضی کے تناظر میں کسی مثبت نتیجے اور مطلوبہ اقدامات کی بجائے تاخیری حربوں کی فعالیت کے لیے استعمال ہونے کا قوی خدشہ ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ رِبا کے معاملے میں ایسی مہلت دینا شرعاً بھی ناجائز ہے، کیوں کہ جو رِبا شریعت میں بڑی وضاحت کے ساتھ حرام ہے، اسی طرح جس رِبا کو حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بلامہلت ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا ہے، ہم اسی رِبا کو رِبا تسلیم کرتے ہوئے کسی مدت تک برقرار رکھنے کی اجازت کیسے گوارا کرسکتے ہیں؟ اسی وجہ سے ہماری عدالتیں بھی اسے بارہا حرام اور واجب الترک

قرار دے چکی ہیں، ایسے شرعی و قانونی حرام کو ایک عرصہ تک برقرار رکھنے کے لیے قانونی اجازت دینا، قرآن وسنت کی بالادستی کے نظریے پر مبنی آئینِ پاکستان کے منافی بھی ہے۔

❸: فاضل عدالت نے رِبا سے متعلق سابقہ اور حالیہ تمام اشکالات کا عملی جواب ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کو قرار دیا ہے اور بعض بینکوں کے نام لے کر اُن کی تحسین بھی فرمائی ہے، بلکہ مختلف انداز سے روایتی بینکاری سے سودی خاتمے کے بعد مروجہ غیرسودی بینکاری کی چھتری تلے جانے کی ترغیب کا تأثر اس فیصلے میں بہت عام ہے، جس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ گویا روایتی بینکاری سے سود کے خاتمے کا حکم مروجہ غیرسودی بینکاری کے فروغ و فعالیت جیسے مقاصد کے تحت دیا جارہا ہے، اور ان دونوں قسم کے بینکوں کے درمیان سرمایہ کارانہ کشاکشی میں غیرسودی بینکاری کو سپورٹ کیا جارہا ہے۔ جو طبقے دونوں قسم کے بینکوں کو سرمایہ کاری اور نفع اندوزی کے ایک جیسے طریقے سمجھتے ہیں، دریں حالت ان کا یہ خدشہ درست ثابت ہوگا، اور وہ یہ کہہ سکیں گے کہ حالیہ فیصلے میں سرمایہ کاری کی دوڑ کے اندر شریک دو اداروں میں سے ایک کے ساتھ ہمدردی پائی جارہی ہے۔

❹: یہ تشویش اس لحاظ سے بھی قوی معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اس کیس کی پیروی کرنے والوں میں ایسے افراد یا تنظیموں کے نمائندے بھی شریک تھے جو مروجہ غیرسودی بینکاری کی بابت شرعی وفنی لحاظ سے سخت قسم کے تحفظات کے حامل ہیں۔ یہ احباب حالیہ فیصلے کے خاتمۂ سود والے حصے کو جہاں اپنی بڑی کامیابی سمجھیں گے، وہیں دوسرے لمحے وہ غیرسودی بینکاری سے متعلق عدالتی ریمارکس سے متأثر بھی ہوں گے۔ ہمارے علم کے مطابق ایسے احباب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مروجہ غیرسودی بینکاری درحقیقت روایتی بینکاری کی سیف سائیڈ ہے، سرمایہ دارانہ معیشت کو اسلامی لبادے میں دوام بخشنے اور تحفظ دینے کا عمل ہے، ظاہر ہے یہ ایسی تشویش ہے جسے اس نوعیت کے اہم فیصلوں میں نظرانداز کرنا عدل اور اعتدال سے محرومی کا احساس پیدا کرتا ہے۔

چنانچہ ملک سے سود کے خاتمے کے حالیہ فیصلہ میں امتناعِ رِبا کے ساتھ ساتھ مروجہ غیرسودی بینکاری کی ترغیب وتلقین، امتناعِ رِبا کے میدان میں فعالیت سے کام کرنے والے ایک طبقے کو مخمصے سے دوچار کررہی ہے اور اس فیصلے کے عمل درآمد میں امتناعِ رِبا کے محرکین کی عدمِ دلچسپی بلکہ دوری کا باعث ہے، حالیہ فیصلہ اگر امتناعِ رِبا تک محدود ہوتا تو مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں تحفظات رکھنے والے احباب کو اس فیصلہ سے متعلق کسی کے نوازے جانے اور کسی کے متأثر ہونے کا بے محل تأثر

نہ ملتا، یہ خدشہ درحقیقت دینی خدشہ ہے جس کا لحاظ رکھنا شرعاً و قانوناً ضروری ہے۔

❺: حالیہ فیصلے میں غیرسودی بینکاری کو جس قدر اسلامی متبادل اور اسلام کا مثالی، قابلِ عمل اور معمول بہ معاشی نظام قرار دیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ بجاطور پر اس سے متعلق شدید تحفظات کا تذکرہ بھی سوالات کے ضمن میں کیا گیا ہے، مگر وہ تحفظات اہمیت آمیز انداز میں مذکور نہیں (۲)۔ عدالتی فیصلے میں توازن کے لیے ضروری تھا کہ ان تحفظات کو بھی اسی شدت کے ساتھ بیان کیا جاتا، جتنی شدت کے ساتھ ترغیب وحمایت مذکور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اُمید کی جاسکتی تھی کہ یہ فیصلہ متوازن ہے، بادی النظر میں غیرمتوازن کا تأثر نہ ہوتا۔

❻: عدالتِ عالیہ اور دیگر متعلقہ احباب بخوبی آگاہ ہوں گے کہ مروجہ غیرسودی بینکاری پر جہاں فنی اور انتظامی لحاظ سے ناقابلِ انکار تحفظات ہیں، ان سے کہیں زیادہ شرعی وفقہی اعتبار سے تحفظات بھی موجود ہیں، جو ہمارے معاشرے اور حالیہ فیصلے میں خاص توجہ سے محروم نظر آتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان نام نہاد غیرسودی بینکوں کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے اس فقہی پہلو کی بجائے ان بینکوں کے سرمایہ کارانہ نمو اور پھیلاؤ کو تو دیکھا جارہا ہے، مگر یہ غور بالکل نہیں کیا جارہا کہ اس نمو اور پھیلاؤ کا اصل محرک اسلامی ہونا ہرگز نہیں، بلکہ اس کا حقیقی محرک اچھی بینکاری ہونا ہے۔ یہ بینک اچھے بینک کہلانے کے حق دار تو ہوسکتے ہیں، مگر اسلامی ہونے کے حق دار قطعاً نہیں، مثلاً:

الف: مروجہ اسلامی بینکاری کے آغاز میں اصولی ونظریاتی طور پر یہ واضح کہا گیا تھا کہ بینکاری سود کا حقیقی مثالی متبادل اسلامی عقود میں سے صرف شرکت ومضاربت ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ بیع مؤجل، مرابحہ مؤجلہ یا اجارہ کے نام سے جن عقود کو بینکاری سود کی تقریبی شکل میں مخصوص ساخت کے ذریعہ محض عارضی، عبوری اور وقتی حیلے کے طور پر اپنایا جارہا ہے، وہ اپنی مجوزہ شکلوں کی بنیاد پر دائمی نظام بن کر سود کو چور دروازے سے داخل کرنے کا ناروا حیلہ ثابت ہوں گے۔ یہ تفصیل اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں درج ہے۔ (۳) آج مروجہ اسلامی بینکاری اسی چور دروازے (خود ساختہ مرابحہ واجارہ) کے راستے سے سرمایہ کاری ونفع اندوزی میں مصروفِ کار ہے۔ جن تمویلی بنیادوں کا اپنی حقیقتِ کذائیہ کے ساتھ سود کا چور دروازہ ہونا اصولی ونظریاتی طور پر طے ہوچکا تھا، اب اسے اسلامی بینکاری قرار دینا یا قابلِ تحسین ولائقِ تقلید کہنا ہماری رائے میں قطعی درست نہیں ہے۔

ب: مروجہ اسلامی بینکاری میں بنیادی تمویلی طریقوں کے طور پر مرابحہ، اجارہ، اور شرکتِ متناقصہ کے نام سے جو نفع اندوز شکلیں رائج ہیں، یہ اپنی خاصیات، ساخت اور نتائج کے اعتبار

سے اسلامی عقود کی بجائے بالترتیب روایتی سودی قرضے، لیزنگ اور ہاؤس فائنانس کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق کے لیے بینکاری کے عملی نظام سے وابستہ احباب اور ان عقود کو اسلامیت کا درجہ دینے والے ''شرعی معیارات'' (AAOIFI) کے مجموعہ میں دیکھا جا سکتا ہے، جہاں غیر جانب دار قاری یہ واضح طور پر محسوس کرے گا کہ مرابحہ فقہیہ اور مرابحہ مصرفیہ، (۴) نیز اجارہ فقہیہ اور اجارہ مصرفیہ کے باہمی فروق و امتیازات واضح اعترافات کے ساتھ موجود ہیں، بلکہ خود ہمارے ہاں کے بعض معتبر و متدین اہلِ علم کی تحریرات میں بھی واضح طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ بینکوں میں برتا جانے والا مرابحہ نامی عقد درحقیقت مختلف عقود کا ایک پیکج ہے، مرابحہ اور اس جیسے دیگر فقہی عقود کو بینکاری میں قابلِ عمل بنانے کے لیے کچھ اضافی تصوُّرات شامل کیے گئے ہیں، (۵) ظاہر ہے کہ ان اضافی تصورات کی ضرورت اسی لیے پیش آئی کہ ان فقہی عقود کو اپنی ہیئتِ کذائیہ کی بجائے بینکاری نظام کی عملی شکل کو اپنانے کی غرض سے قابلِ عمل بنانا تھا، بایں معنی مختلف عقود کا جو پیکج فقہی مرابحہ پر اضافی تصورات کے آمیزے کے ساتھ بینکنگ سیکٹرز میں برتا جا رہا ہے، اسے تو لفظی اعتبار سے مرابحہ کہنا بھی غلط ہے، چہ جائیکہ اسے شرعی یا فقہی مرابحہ کا نام دیا جائے، کیوں کہ فقہی مرابحہ تو متعدد/مختلف عقود کا پیکج نہیں ہے، بلکہ وہ تو ایک عام سادہ بیع ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی عقود کے ناموں کے ساتھ موجودہ بینکاری نظام کو جس طرح فعالیت اور ترویج دی جا رہی ہے، اس میں بینکاری کا عنصر غالب اور اسلامیت کا عنصر برائے نام ہے۔ ایسے نظام کی ترغیب و تلقین فقہی لحاظ سے اسی ردِعمل کی حقدار قرار پائے گی جس کا سامنا اس بے بنیاد متبادل نظام کو کرنا پڑ رہا ہے۔

ج: مروجہ اسلامی بینکاری کو اپنے آغاز میں ''حیلہ'' کہہ کر یوں قبول کروایا گیا تھا کہ فقہی حیلے عبوری اور وقتی مشکلات میں قابلِ قبول ہوا کرتے ہیں، مگر انہیں دائمی نظام بنانے سے احتراز کا حکم بھی موجود تھا، جبکہ موجودہ غیر سودی بینکاری ہماری رائے کے مطابق فقہی حیلے کے زمرے سے بھی کوسوں دور جا چکی ہے، حیلہ بایں طور کہا گیا تھا کہ اگر سودی قرضے کے متبادل کے طور پر بینک اپنے کلائنٹ کو مطلوبہ چیز کی خریداری کروا دے اور قرض کی اسی رقم پر جتنا سود بنتا ہے اس کے بقدر مطلوبہ چیز کا منافع رکھ لیا جائے تو یہ سود کا حیلہ بنتا ہے۔

آگے جانے سے قبل یہاں یہ سوال بہت اہم ہے کہ بینک کے قرض خواہ کو اس کی مطلوبہ چیز خریداری کروانے کو حیلہ کس بنیاد پر کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب واضح ہے اور ہمارے علماء سے لے کر

نظریاتی کونسل کے معزز ممبران تک سب نے اس سوال کے ساتھ جواب بھی لکھا ہے کہ بینک بنیادی طور پر نقدی کی تجارت کا ادارہ ہے، اشیاء کی تجارت کا مجاز ادارہ نہیں ہے۔ (۶)

اشیاء کا طلبگار، بینک کے پاس اشیاء کی بجائے اشیاء کے لیے رقم مانگنے کے لیے ہی آتا ہے اوران دونوں کو یہ معلوم بھی ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت اشیاء کی بجائے نقدی کا اُدھار کرتے ہیں، اس رقم سے چیز کی خریداری کے باوجود درحقیقت نقدی پر نفع کمانے کا عمل ہے جو سود ہے اوراس سود کے لیبل سے بچنے کے لیے بینک اور کلائنٹ کے درمیان خریداری کا عمل سود کو حلال کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

مگر یہ بہانہ یا حیلہ اپنے فقہی تحقّق کے لیے تین افراد کا محتاج تھا، یعنی فریقین (بینک اور کلائنٹ) کے علاوہ تیسرا شخص جو بینک کا وکیل بن کر کلائنٹ کو خریداری کروائے، یہ تھا اس باب کا وہ حیلہ جس کی پاداش میں مروجہ اسلامی بینکاری کو حیلہ پر مبنی غیرسودی بینکاری کہا گیا تھا، اوراس حیلہ کے شرعی وجود کے لیے واضح طور پر کہا جاتا تھا کہ معاملے کے فریقین کے درمیان تیسرا شخص (وکیل) کلائنٹ کے علاوہ ہونا ضروری ہے، ورنہ حیلہ پر مبنی بینکاری' روایتی سودی بینکاری سے ممتاز نہیں ہوسکے گی۔

چناں چہ مروجہ اسلامی بینکاری نے اپنے آغاز ہی سے اس ضد پر سرمایہ کاری کی دھن بٹھا رکھی ہے کہ بینک کا وکیل کوئی تیسرا شخص نہیں ہوگا، بلکہ خود کلائنٹ ہی وکیل کا کردار ادا کرے گا۔ کلائنٹ کو وکیل کا درجہ دے کر اس کی مطلوبہ چیز خریدنے کے عمل نے مروجہ اسلامی بینکاری کے نیچے سے حیلہ سازی کی بنیاد بھی ہٹا کر رکھ دی ہے۔ اب ان بینکوں کی فقہی حیثیت متعین کرنے کے لیے کسی قسم کی حیلہ جوئی کی بجائے قرض خواہ (کلائنٹ) کو رقم دے کر اس سے سودی مارکیٹ کے سودی نرخوں کے مطابق سود لینے والے معاملات کے تناظر میں دیکھنا پڑتا ہے۔ بایں معنی مروجہ غیرسودی بینکاری جو اولاً مستقل شریعت کی بجائے حیلہ جوئی پر مبنی عارضی شریعت کے سہارے قائم ہوئی تھی، بعد ازاں اس حیلہ سے بھی تہی دامن ہوکر خالص روایتی سودی بینکاری کی دوڑ میں شامل ہوکر اسی کے معیارات وترجیحات کے ساتھ رقم پر نفع کے لین دین تک محدود ہوگئی ہے۔ ''مرابحۂ مؤجلہ للآمر بالشراء'' میں بینک اور کلائنٹ کے درمیان تیسرے شخص کے فقدان سے یہ عقد' فقہی اعتبار سے سودی حیلہ بننے کی بجائے روایتی سود کی شکل میں برقرار رہا، جب کہ ''اجارہ منتھیہ بالتملیک'' اجارہ کی سہولت اور ملکیتی حق کے درمیان معلق و مشروط ہے، جو کہنے کو اجارہ، کرنے کو ملکیتی تصرف ہے، جو لاتعداد فقہی فروع کے علاوہ کثیر تعداد صریح نصوص کے بھی خلاف ہے۔

اسی طرح شرکتِ متناقصہ (Diminishing Musharakah) ہر قسم کی فقہی بنیاد سے

محرومی کے علاوہ ''اجتماعِ صفقتین'' جیسی صریح نصوص سے متصادم ہے۔ ان عقود میں فقہی احکام اور شرعی نصوص کی بجائے بینکاری کی ترجیحات کو فوقیت دی گئی ہے، اس پر عرب وعجم کے لاتعداد علماء کی تحقیقات علمی دنیا میں موجود ہیں، جن کے مطابق مروجہ اسلامی بینکاری کو اسلامی یا غیرسودی قطعاً نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس نقطۂ نظر کے مطابق مروجہ غیرسودی بینکاری اس لحاظ سے روایتی بینکاری کے مقابلے میں زیادہ بدتر اور خطرناک ہے کہ وہاں رقم پر نفع اندوزی بے غبار انداز میں بنامِ سود ہورہی ہے اور مروجہ اسلامی بینکوں میں وہی سود اپنے تمام لوازم کے ساتھ اسی مقدار میں اسلامی عنوان سے وصول ہورہا ہے، جب کہ غیراسلامی معاملے کا غیراسلامی عنوان سے استعمال' کم درجہ کی برائی ہے اور اسے اسلامی نام اور لبادے میں استعمال کرنا اس سے بڑھ کر برائی ہے۔

نیز اس برائی میں اس وقت شدت آجاتی ہے جب حیلہ جَویانہ تاویلات کے ذریعہ اس برائی کی تقویت وترویج کی کوشش کی جائے، اس وقت مروجہ اسلامی بینکاری کی صورتِ حال یہی ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو روایتی بینکاری سے ہم دام وہم گام رکھنے کے لیے فقہی اصلاحی رہ نمائی اور صریح نصوص کو رکیک تاویلات کے ذریعہ رد کرنا معمول بن چکا ہے، جو اِن بینکوں کے اسلامی بننے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس لیے ہم یہ واضح موقف رکھتے ہیں کہ مغربی بینکاری کے اصول پر سرمایہ کارانہ نموّ اور پھیلاؤ کو اسلامی معاشی نظام کی پذیرائی سمجھنا، سمجھانا اور اس کی ترغیب وتلقین کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

الغرض فاضل عدالت کے حالیہ فیصلے سے مروجہ اسلامی بینکاری کے اسلامی ہونے، اسلامی معیشت کے آئینہ دار ہونے اور روایتی بینکاری کی جگہ لینے کا تأثر فقہی اعتبار سے بے محل ہے۔ عدالتِ عالیہ نے جہاں سود کے فنی وانتظامی امور کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ دیا ہے، وہیں مروجہ اسلامی بینکاری کی ترغیب سے قبل اس کی فقہی تشخیص وتحیث کو پیشِ نظر رکھا جاتا تو یہ فیصلہ توازن، ہمہ جہتی، ہمہ گیری اور مثبت انجام کا حامل ہوتا، مگر اس پہلو سے صرفِ نظر کے ساتھ، روایتی سود کے متبادل کے طور پر مروجہ غیرسودی بینکاری سے متعلق اسلامی معاشی نظام اور سود کا واقعی متبادل ہونے کا تأثر، حالیہ عدالتی فیصلے کی پذیرائی اور تنفیذ میں فقہی تحفظات کا باعث ہے۔ بہت ہی مناسب ہوگا کہ مروجہ غیرسودی بینکاری کو اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری کا ناقابلِ اشکال متبادل قرار دینے سے قبل اس بینکاری پر فقہی تحفُّظات کا بغور اور بنظرِ انصاف جائزہ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

حواشی وحوالہ جات

۱:۔ پیرا163،ص:296

2:Determination Point-VI:189-206

3: It would be relevant to mention here that the Council in its Report on the Elimination of Interest had suggested that use of the device of the"mark-up) "B'ai Mu'aijal(be limited to unavoidable cases in the process of switch over to the interest-free system and had warned that" it would not be advisable to use it widely or indiscriminately in view of the danger attached to it of opening a back door for dealing on the basis of interest."It is unfortunate that this warning was disregarded and the Mark-Up system has been made the pivot of the new arrangements. It is even more unfortunate that the system of Mark-Up as adopted in January, 1981 did not conform to the standard stipulations of Bai- Muaijal and contains many features which are patently un-Islamic and involve the charging of compound interest".

REVIEW OF COUNCIL OF ISLAMIC IDEOLOGY'S REPORT ON THE ELIMINATION OF INTEREST FROM THE ECONOMY June 1980 Page 196

۴:۔ دیکھیے: شرعی معیار نمبر:۸، ضمیمہ (ہ) فرہنگ، مرابحہ، ص:۲۴۵، شرعی معیارات:۲۱۷

۵:۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ایک تعارف، ص:۹۸، ط: مکتبۃ العارفی

۶:۔ فقہی مقالات، جلد:۲، ص:۲۶۰، ط: میمن اسلامک پبلشرز

دعوتِ دین ... اہمیت اور تقاضے

مولانا عبدالمنان معاویہ
لیاقت پور، پنجاب

دینِ اسلام مسلمانوں کی زندگی میں کیسے آجائے؟ کس طرح ایک مسلم خواہشِ نفسانی کو دبا کر دینِ اسلام پر عمل پیرا ہوسکتا ہے، جب کہ اردگرد کے ماحول میں فحاشی، عریانی، اور معاشرتی بے راہ روی اپنے عروج پر ہو تو اس کے لیے ''اقامتِ دین'' ہے، اور اقامتِ دین کے دو طریقے ہیں:

۱:۔حفاظتِ دین ۲:۔اشاعتِ دین

حفاظتِ دین

حفاظتِ دین اشاعتِ دین سے مقدم ہے، کیونکہ اشاعت اس شے کی ہوگی جو محفوظ ہوگی، اور جس شے میں تحریف کردی جائے یا جو چیز اپنا وجود کھو بیٹھے، اُس کی اشاعت ناممکن ہے۔ حفاظتِ دین سے مراد ہر اُس شے کی حفاظت ہے، جس کی نسبت دینِ اسلام کی طرف ہے۔

اشاعتِ دین

اشاعتِ دین کے دو ذرائع ہیں:

۱:۔تحریر ۲:۔تقریر

تحریر

علمائے ربانینؒ نے تحریر کے ذریعہ سے غیر مسلم اقوام کو اسلام کا تعارف کرایا، دیگر ادیان پر دینِ اسلام کی فوقیت اور اسلام کی حقانیت ظاہر کی۔ قرآنی علوم و معارف، احادیثِ نبویہ و شروحاتِ کتبِ احادیث، عقائدِ اسلامیہ، فقہِ اسلامی و شروحاتِ کتبِ فقہ اور تاریخِ اسلامی پر علمائے دین نے اَن گنت تصانیف تحریر فرمادیں، تقریباً دنیا کی ہر زبان میں اسلامی کتب کے تراجم موجود ہیں، جن کی وجہ سے ہزاروں افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور ہورہے ہیں۔

تقریر

اشاعتِ دین کا دوسرا ذریعہ ''تقریر'' ہے، علمائے اسلام نے تقریر کے ذریعہ سے بھی لوگوں کو دینِ اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا، خطباء اسلام کے اصلاحی وعلمی مواعظ سے ہزاروں بے عمل مسلمان باعمل مسلمان بن گئے، لاکھوں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

دعوتِ دین کا مفہوم اور فضیلت واہمیت

دعوتِ دین کا کام دراصل انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام ہے، تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کو معبود برحق، وحدہٗ لاشریک ماننے کی دعوت دی، سورۃ الاعراف میں حق جل مجدہٗ نے سیدنا نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی اپنی قوموں کو دی گئی دعوت کو یوں بیان فرمایا:

''یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ'' (سورۃ الاعراف:۸۵)

''اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی اور تمہارا معبود ہونے کے لائق نہیں۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا پہلا موضوع بھی یہی تھا کہ: ''قولوا لا إله إلا الله تفلحوا''

دعوتِ دین کو قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں ان اسماء اور عنوانات سے بیان کیا گیا ہے:

۱:-دعوت الی اللہ، ۲:-انذار وتبشیر (ڈرانا اور بشارت دینا)، ۳:-شہادت الی الناس، ۴:-تواصی بالحق، ۵:-تعاون علی البرّ، ۶:-امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ۷:-دعوت الی الخیر۔''

دعوتِ دین سے مراد صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر اعمال وعبادات کی دعوت ہی نہیں، بلکہ دعوتِ دین سے مراد یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کو اس کام کے متعلق آگاہ کرنا اور نصیحت کرنا جو کام غیر شرعی اور حرام ہو، اسے اس مقام پر ترغیب دینا کہ شریعت کا اس مقام پر یہ حکم ہے، لہٰذا آپ بھی یہ کام حکمِ شریعت کے مطابق کریں، شریعت کے مطابق امور سرانجام دینے پر اللہ جل شانہٗ کی جانب سے اجر ہے، اور اگر آپ نے حکمِ شریعت کے خلاف کیا، تو اس پر اللہ کی طرف سے پکڑ شدید ہے۔

واضح رہے کہ دین اور دعوتِ دین ایک مسلمان کی پوری زندگی پر محیط ہے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک کافر نے پوچھا کہ آپ کے مذہب میں عبادت کتنی دیر ہے؟ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''ہمارے مذہب میں چوبیس گھنٹے عبادت ہے۔'' اس پر وہ حیران ہوا تو آپؓ نے جو بات فرمائی، وہ بڑی توجہ طلب ہے اور اس لائق ہے کہ ہر مسلمان کو ازبر ہو، فرمایا: ''ہمارے

نزدیک ہمارے نبی اکرم ﷺ کے مبارک طریقوں پر چلنا عبادت ہے۔'' یعنی جیسے حضور ﷺ کھانا تناول فرماتے تھے، اس طرح کھانا کھانا، جس طرح حضور ﷺ نے پانی نوش فرمایا، اسی طرح پانی پینا، جس طرح حضور ﷺ نے خوشی کے موقع پر خوشی کا اظہار فرمایا، اسی طرح ہم بھی خوشی کے مواقع پر خوشی کا اظہار کریں، جس طرح حضور ﷺ نے غم کا اظہار کیا، ہم بھی اسی طرح کریں، جن اوقات میں حضور ﷺ نے نمازیں پڑھنے کا حکم صادر فرمایا، انہی اوقات میں ہم بھی نمازیں پڑھیں۔ اس فرمانِ علیؓ کے پیشِ نظر یہ کہنا آسان ہے کہ دعوتِ دین انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے۔

دعوتِ دین کے بارے میں حکمِ قرآن

دعوتِ دین کے بارے میں مزید جاننے کے لیے ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں، تاکہ دعوتِ دین کی اہمیت بھی واضح ہو:

❶:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' (آلِ عمران:۱۰۴)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ ابو العالیہؒ سے روایت فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن میں امر بالمعروف کی جو آیات ذکر کی ہیں، وہ اسلام ہے اور منکر سے نہی والی جو آیات ذکر کی ہیں وہ شیطان کی عبادت ہے۔'' (تفسیر درمنثور، اردو، ج،۲)

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس جماعت سے مراد خاص صحابہؓ اور خاص راویانِ حدیث ہیں، یعنی مجاہد اور علماء۔ حضرت ابوجعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی، پھر فرمایا: خیر سے مراد قرآن وحدیث کی اتباع ہے، یاد رہے کہ ہر ہر متنفس پر تبلیغِ حق فرض ہے، لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اُسے ہاتھ سے دفع کردے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روک دے، اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہو تو اپنے دل سے نفرت کرے، یہ ضعیف ایمان ہے۔ ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ

اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر ایمان ہے۔'' (صحیح مسلم) مسند احمد میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمادے گا، پھر تم دعائیں کروگے، لیکن قبول نہ ہوں گی۔'' (تفسیر ابن کثیرؒ، اردو، ج:۱،ص:۴۴۹)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

'' پہلے تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ کے ذریعے اپنی اصلاح، دوسرے دعوت وتبلیغ کے ذریعہ دوسروں کی اصلاح، آیت ''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ '' میں اس ہدایت کا بیان ہے، گویا ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ خود بھی اپنے اعمال واخلاق کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق درست کرو اور اپنے دوسرے بھائیوں کے اعمال کو درست کرنے کی بھی فکر رکھو۔'' (معارف القرآن)

❷:- ارشادِ ربانی ہے:

''يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ '' (سورۃ المائدہ:۶۷)

''اے رسول! جو جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، آپ (سب) پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا، اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافروں کو راہ نہ دیں گے۔''

علّامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''اپنے نبی ورسول کو پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچا دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحیح بخاری میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو تجھ سے کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپا لیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا، پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی۔'' (تفسیر ابن کثیر، ج:۱،ص:۷۸۷)

شیخ الاسلام حضرت علّامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جد وکد اور صبر واستقلال سے فرضِ رسالت وتبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ کو دنیا میں ہر

چیز سے بڑھ کر اپنے فرضِ منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور ﷺ کے اس احساسِ قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفۂ تبلیغ میں مزید استحکام و تثبت کی تاکید کے موقع پر مؤثر ترین عنوان یہ ہی ہوسکتا تھا کہ حضور ﷺ کو ''یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوْلُ'' سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرضِ محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ ﷺ اپنے فرضِ منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی تمام تر کوششوں سے قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ خدا کے سامنے فرضِ رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں، لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضۂ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصّر رہتا ہے، یا تو اُسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصانِ شدید پہنچے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تمرُّد وطغیان کو دیکھتے ہوئے، جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہلِ کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو۔ پہلی وجہ کا جواب ''یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوْلُ'' سے ''فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ'' تک، دوسری کا ''وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ'' میں اور تیسری کا ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ'' میں دے دیا گیا، یعنی تم اپنا فرض ادا کیے جاؤ، خدا تعالیٰ آپ کی جان اور عزت وآبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے، وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائے گا، باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے، ایسی قوم جس نے کفر وانکار ہی پر کمر باندھ لی ہے، اگر راہِ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑ دو۔ نبی کریم ﷺ نے اس ہدایتِ ربانی اور آئینِ آسمانی کے موافق اُمت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی، نوعِ انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی آپ ﷺ نے بلاکم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کردی اور وفات سے دو/ ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمانِ اسلام اور عاشقانِ تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ ﷺ نے علیٰ رؤس الاشہاد اعلان فرمادیا کہ: اے خدا! تو گواہ رہ! میں (تیری امانت) پہنچا چکا۔'' (تفسیر عثمانی، ص:۱۶۱، ۱۶۰)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب رسول مکرم ﷺ کو بغیر کسی جھجک کے تبلیغ کا حکم دیا ہے، یعنی آپ ﷺ کفار ومشرکین سے ہرگز خوف وخطر محسوس نہ فرمائیں، بلکہ کھل کر پیغامِ الٰہی

لوگوں تک پہنچادیں۔

اللہ کے رسولوں کا مقصدِ رسالت دنیا میں اللہ کی توحید کا بول بالا کرنا، دنیا میں قانونِ الٰہی کی عملی تنفیذ ہوتا ہے، یہی مقصد حضرت رسالت مآب ﷺ کا تھا، مکہ مکرمہ میں تو صرف مشرکین سے خطرہ تھا، لیکن مدینہ منورہ میں اِک طرف منافقین کی سازشیں اور دوسری طرف یہود کی چیرہ دستیاں، تو یہاں اگر کھل کر تبلیغ کا موقع ملا، تو دوسری طرف خطرات بھی بڑھ گئے، انسان کھلے دشمن سے ہر وقت چوکنا رہتا ہے، لیکن چھپے دشمن کا ایک تو پتہ نہیں ہوتا، دوسرا اس کا وار شدید ہوتا ہے، اس لیے یہاں بہت محتاط رہنے کی ضرورت تھی، تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کھل کر تبلیغ کرنے کی نصیحت فرمائی، اور آپ ﷺ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔

❸:-ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ'' (سورۃ النحل:۱۲۵)

''آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلایئے اور (اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے (کہ اس میں شدت وخشونت نہ ہو) آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس رستے سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔''

آیتِ ہذا میں اولاً اسلوبِ دعوت کا بیان ہے، پھر ان لوگوں سے جو دین کو جاننے کی خاطر بحث ومباحثہ کرتے ہیں، مناظرے کا طریقہ بھی بیان فرمادیا، اس سے بھی پتہ چلا کہ ایک داعی کو صرف دعوت سے ہی غرض نہیں رکھنی چاہیے، بلکہ فرقہائے باطلہ کے دلائل اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان کے جوابات بھی ذہن نشین رکھنے چاہئیں، تاکہ بوقتِ ضرورت حق کا بول بالا کرسکے۔

آیت مندرجہ بالا کی تفسیر کے ذیل میں علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ رب العالمین اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ اللہ کی مخلوق کو اس کی طرف بلائیں۔ حکمت سے مراد بقول امام ابن جریرؒ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ ہے اور اچھے وعظ سے مراد جس میں ڈر اور دھمکی بھی ہو کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں اور اللہ کے عذاب سے بچاؤ طلب کریں۔ ہاں! یہ بھی خیال رہے کہ اگر کسی سے مناظرے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ نرمی اور خوش لفظی سے ہو۔'' (تفسیر ابن کثیر، ج:۳،ص:۱۶۳)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آیتِ ہذا کے ذیل میں فرماتے ہیں:

’’گو یہاں ’’اُدْعُ‘‘ کا خطاب حضور ﷺ کو ہے، مگر حکم میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین سب اس کے مخاطب ہیں، ہاں! حضور ﷺ کو خطاب اولاً ہے اور دوسروں کو ثانیاً۔

’’اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ‘‘ یعنی حکمت سے بلایئے! معلوم ہوا کہ اس میں حکمت کی ضرورت ہے، ورنہ مطلق فرماتے، ’’بِالْحِكْمَةِ‘‘ نہ فرماتے، بہر حال اس کے شرائط ضرور ہیں، مگر وہ اسی کے لیے ہیں جو کام کرنے کا قصد کرے اور وہ تین چیزیں ہیں: دعوت بالحکمۃ، دعوت بالموعظۃ الحسنۃ اور مجادلہ۔ یعنی ایک قسم تو دعوت کی یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ کی جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ موعظۂ حسنہ کے ساتھ دعوت کی جائے اور ایک یہ کہ مجادلۂ حسنہ کیا جائے، اس کی توجیہ مختلف ہوسکتی ہے، جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ عرض کرتا ہوں، جب کسی کو سبیل رب کی طرف دعوت ہوگی تو اس میں ایک تو دعویٰ خاص داعی کا مطلب ہوگا اور ایک اس کی نقیض ہوگی جو کہ مذہب مخالف کا ہے، پھر گفتگو میں دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک اپنے دعوے کا اثبات اور دوسرے کے دعوے کا ابطال، تو حکمت یہ ہے کہ اپنے دعویٰ پر علمی دلائل قائم کیے جاویں اور مجادلہ یہ ہے کہ مخالف کے مدعا کو باطل کیا جاوے، اصل مقصود یہ دونوں ہیں۔ باقی تیسری ایک چیز اور ہے، وہ موعظہ حسنہ ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو عباد کے ساتھ شفقت بہت زیادہ ہے، اس لیے موعظۂ حسنہ بھی ایک طریق بتلادیا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ ناصح دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک تو ضابطہ کے ساتھ نصیحت کرنے والا، وہ تو اپنے ضابطہ کی خانہ پُری کردیتا ہے۔ دوسرا وہ ناصح جس کو سامعین پر شفقت بھی ہے، مثلاً ایک تو منادی کا حکم سنانا ہے اور ایک باپ کا نصیحت کرنا، دونوں میں بڑا فرق ہے، منادی کا کام تو ضابطہ کا ہے، صرف حکم کا پہنچانا اس کا فرضِ منصبی ہے، اب تم مانو یا نہ مانو، اس سے اس کو کوئی بحث نہیں اور باپ محض سنانے پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ اس کی شفقت اس بات کو مقتضی ہوتی ہے کہ کسی صورت اس کو منوا لوں، اس لیے وہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ بیٹا مان ہی لے۔ تو دیکھئے! دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی شفیق نہیں، پھر حضور ﷺ جیسا کوئی خیر خواہ نہیں، تو محض شفقت ہی کے مقتضا سے اللہ تعالیٰ نے اولاً حضور ﷺ کو اور ثانیاً آپ ﷺ کی اُمت کو فرمایا ہے کہ دعوت میں صرف حکمت یعنی دلائل ہی پر اکتفا نہ کرو، بلکہ ساتھ ساتھ موعظۂ حسنہ بھی کرتے رہو۔‘‘

(اشرف التفاسیر، ج:۲، ص:۴۸۴-۴۸۳)

اس آیت کی تفسیر میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس آیت میں دعوت وتبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے اصول وآداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سموئی ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت ہرم بن حیانؒ کی موت کا وقت آیا تو عزیزوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمایئے تو فرمایا: وصیت تو لوگ اموال کی کیا کرتے ہیں، وہ میرے پاس ہے نہیں، لیکن میں تم کو اللہ کی آیات خصوصاً سورۂ نحل کی آخری آیتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ ان پر مضبوطی سے قائم رہو۔''

آگے حضرت مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''دعوت الی اللہ دراصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، اُمت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں، جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہی وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ وجدال کا موجب ہوجاتی ہے۔'' (معارف القرآن، ج:۵)

❹: ۔حق جل مجدہٗ فرماتے ہیں:

''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' (حٰم السجدہ:۳۳)

''اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور خود (بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

اس آیت کے ذیل حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سب سے احسن وہ کلام ہے جس میں دوسروں کو دعوتِ حق دی گئی ہو، اس میں دعوت الی اللہ کی سب صورتیں داخل ہیں، زبان سے، تحریر سے، یا کسی اور عنوان سے، اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے، اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں نازل ہوئی اور اس ''دَعَآ اِلَی اللّٰہِ'' کے بعد ''عَمِلَ صَالِحًا'' آیا ہے، اس سے مراد ہے کہ اذان واقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھ لے۔'' (معارف القرآن، ج:۷)

آیتِ کریمہ وتفاسیر سے معلوم ہوا کہ سب سے اچھی بات یہی ہے۔ حضرت انسان دوسرے انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت، ربوبیت کی طرف دعوت دے، اور اپنی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے مبارک طریقوں پر بسر کرے اور یہی دعوت دسروں کو دے۔ آخرت کی زندگی دائمی زندگی ہے، وہاں کی کامیابی بھی دائمی ہے، وہاں کی ناکامی بھی دائمی ہے، تو سب سے اچھی بات یہی ہے

کہ ایک مسلمان دوسرے بھائی کی خیرخواہی کا فریضہ سرنجام دیتے ہوئے اُسے قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اور نفسانی وشیطانی اعمال سے بچنے کی ترغیب دے۔

دعوتِ دین سے متعلق چند احادیثِ مبارکہ

❶:۔''عن أبي سعيد الخدريؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذٰلك أضعف الإيمان .'' (رواہ مسلم)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: جو شخص تم میں سے کوئی خلافِ شرع امر دیکھے' اس کو ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو' زبان سے روکے، اگر اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو' دل سے بُرا جانے اور یہ کمزورترین ایمان ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف، اردو، ج:۲،ص:۴۷۸)

حدیث نبویؐ سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان برائی کو دیکھے، تو وہ برائی کے خاتمہ کے لیے بھرپور کوشش کرے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سعی جمیلہ میں کسی بھی طرح قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا جاسکتا، بلکہ جس قدر وہ سعی کرسکتا ہے، وہی کرے۔

حدیثِ مبارکہ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ انسان کے جہاں تک بس میں ہو وہ برے کام سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی افعالِ بد سے روکے، پھر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اجازت مرحمت فرمائی کہ اگر طاقت سے نہیں روک سکتے، تو زبان سے روکو، اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتے، تو کم ازکم دل میں تو اُسے برا جانو، یہ نہ ہو کہ اس فعلِ بد کی تاویلات کرنا شروع کردو۔

❷:۔''عن أبي مسعود الأنصاريؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من دلّ علٰى خير، فلهٗ مثل أجر فاعله .'' (رواہ مسلم)

''حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے کسی نیک کام کی طرف (کسی بندے کی) رہنمائی کی تو اس کو نیک کام کے کرنے والے بندے کے اجر کے برابر ہی اجر ملے گا۔'' (معارف الحدیث، حصہ ہشتم، ص:۵۸،۵۹)

مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث کا مطلب ومدعا اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً: ایک شخص نماز کا عادی نہیں تھا، آپ کی دعوت وترغیب اور محنت کے نتیجہ میں وہ پابندی سے نماز پڑھنے لگا۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور ذکراللہ سے غافل تھا، آپ کی دعوت اور کوشش

کے نتیجہ میں وہ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کرنے لگا، ذکر وتسبیح کا عادی ہوگیا۔ وہ زکوٰۃ ادانہیں کرتا تھا، آپ کی مخلصانہ دعوت وتبلیغ کے اثر سے وہ زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگا۔ اسی طرح اور بھی اعمالِ صالحہ کا پابند ہوگیا تو اس کی عمر بھر کی نمازوں، ذکر وتلاوت، زکوٰۃ وصدقات اور دیگر اعمالِ صالحہ کا جتنا اجروثواب آخرت میں ملے گا (اس حدیث کی بشارت کے مطابق) اللہ تعالیٰ اتنا ہی اجر وثواب بطورِ انعام کے اپنے لامحدود خزانۂ کرم سے اس داعی الی الخیر بندے کو بھی عطا فرمائے گا، جس کی دعوت وتبلیغ نے اس کو اعمالِ صالحہ پرآمادہ کیا اور عادی بنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس راستہ سے جتنا اجروثواب اورآخرت میں جو درجہ حاصل کیا جاسکتا ہے وہ کسی دوسرے راستہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ بزرگانِ دین کی اصطلاح میں یہ ’’طریقِ نبوت‘‘ کا سلوک، بشرط یہ کہ خالصتاً لوجہ اللہ اور رضائے الٰہی کی طلب میں ہو۔‘‘ (معارف الحدیث، حصہ ہشتم، ص:۵۹،۵۸)

❸:۔’’عن حذيفة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيدهٖ لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عذابًا من عندهٖ، ثم لتدعنه ولا يستجاب لكم .‘‘ (رواہ الترمذی)

’’حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے اہلِ ایمان!) قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم پر لازم ہے اور تم کو تاکید ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو (یعنی اچھی باتوں اور نیکیوں کی لوگوں کو ہدایت وتاکید کرتے رہو اور بری باتوں اور برے کاموں سے ان کو روکتے رہو) یا پھر ایسا ہوگا کہ (اس معاملہ میں تمہاری کوتاہی کی وجہ سے) اللہ تم پر اپنا کوئی عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعائیں کروگے اور تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔‘‘ (معارف الحدیث، حصہ ہشتم، ص:۶۰)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو واضح الفاظ میں آگاہی دی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میری اُمت کا ایسا فریضہ ہے کہ جب اس کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کسی فتنہ اور عذاب میں مبتلا کردی جائے گی اور پھر جب دعائیں کرنے والے اس عذاب اور فتنہ سے نجات کی دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔ اس عاجز کے نزدیک اس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں کہ

صدیوں سے یہ اُمت طرح طرح کے جن فتنوں اور عذابوں میں مبتلا ہے اور اُمت کے اخیار اور صلحاء کی دعاؤں اور التجاؤں کے باوجود ان عذابوں سے نجات نہیں مل رہی ہے تو اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری سپرد کی تھی اور اس سلسلہ میں جو تاکیدی احکام دیئے تھے اور اس کا جو عمومی نظام قائم فرمایا تھا وہ صدیوں سے تقریباً معطل ہے، اُمت کی مجموعی تعداد میں اس فریضہ کے ادا کرنے والے فی ہزار ایک کے تناسب سے بھی نہیں۔''

(معارف الحدیث، حصہ ہشتم، ص:۶۰-۶۱)

ان احادیثِ ثلاثہ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت ثابت ہورہی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے جہاں ان لوگوں میں تبدیلی واقع ہوتی ہے، جنہیں آپ احسن انداز میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت کررہے ہیں، وہیں ناصح میں بھی ایمانی پختگی پیدا ہوتی ہے، مثلاً: اگر آپ کسی کو نماز کی تلقین کرتے ہیں، بار بار کرتے ہیں، تو لازماً آپ بھی نماز کی پابندی کرتے ہوں گے، آپ کو ایسا کرنا ہی پڑے گا، اگر بالفرض آپ ایسا نہیں کرتے تو جسے آپ تلقین کررہے ہیں، وہ آپ کو ٹوک سکتا ہے کہ ''دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت'' تو اس وقت آپ کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے قرآن کریم کی تعلیمات (یعنی ''وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ'') پر عمل پیرا ہوتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا ہر مسلمان کے ذمہ ہے، تاکہ وہ خود بھی نیک اعمال بجالائے اور دیگر اہلیانِ اسلام کو بھی نیک اعمال کرنے کی ترغیب دے۔

اللہ تعالیٰ راقم کو اور تمام مسلمانوں کو دینِ اسلام کی نشر واشاعت میں اپنا کردار اخلاص سے ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین یا رب العالمین بجاه سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اعلان برائے قارئینِ بینات

قارئینِ بینات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ذوالقعدة ۱۴۴۳ھ سے ماہنامہ بینات کا زرِ سالانہ مبلغ ۶۰۰ (چھ سو) روپے ہوگا۔ ماہنامہ بینات کے پرانے اور نئے خریدار آئندہ سال کے لیے اسی حساب سے رقم بھجوائیں۔ **(ادارہ بینات)**

فرد اور اجتماعیت

مولانا سید عبدالوہاب شیرازی
فاضل جامعہ محمدیہ، اسلام آباد

پہلی بات

زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے (یعنی اپنا کام کررہی ہے)، زمین اپنی اس گردش کے دوران سورج کے گرد بھی گھومتی ہے۔ زمین اپنی اس انفرادی حیثیت کے ساتھ ساتھ ایک اجتماعی نظام ''نظامِ شمسی'' کا بھی حصہ ہے اور وہ پورا نظامِ شمسی بھی (اپنے سیاروں اور چاندوں سمیت) رواں دواں ہے، پھر وہ بھی اپنے سے بڑی ایک اور اجتماعیت ''کہکشاں'' کا حصہ ہے، پھر یہ کہکشائیں بھی اپنے سے بڑی ایک اور اجتماعیت ''گلیکسی'' کا حصہ ہیں۔ الغرض ہر کرہ حرکت میں بھی ہے اور کسی اجتماعیت کا حصہ بھی ہے۔

اسی طرح دنیا کی ہر چیز اپنی انفرادی حیثیت کے ساتھ ساتھ کسی اجتماعیت کا حصہ بھی ہے، چاہے وہ درخت ہوں یا پھل پھول، پودے، درند، چرند، پرند ہوں یا خشکی تری کے جاندار، وغیرہ، ہر کوئی کسی نا کسی اجتماعیت کا حصہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کائنات کا مزاج اجتماعیت والا ہے۔

دوسری بات

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' (التوبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔''

اس آیتِ کریمہ میں دو باتوں کا حکم ہے:

۱:- انفرادی سطح پر تقویٰ اور خدا خوفی پیدا کرو۔

۲:- اس کے ساتھ ساتھ سچے اور نیک لوگوں کے ساتھ جڑ جاؤ۔

یعنی اپنی ذات میں تقوے والی زندگی (جس میں فرائض، واجبات اور اللہ رسول (ﷺ) کی اطاعت ہو اور حرام اور نافرمانی سے بچاؤ ہو) گزارو، لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سچے اور نیک لوگوں کے ساتھ جڑنا بھی شروع کرو، اکیلے نہ رہو۔

تیسری بات: آخرت کا منظر

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا'' (مریم:۹۵)

''اور وہ سب کے سب قیامت والے دن اکیلے اکیلے آئیں گے۔''

یعنی قیامت والے دن اللہ کے حضور پیشی انفرادی ہوگی، ایک ایک فرد کو اکیلے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر حساب کتاب دینا ہوگا، وہاں پیشی قوموں، قبیلوں، جماعتوں کی شکل میں نہیں ہوگی، کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا، وہاں اپنے ہی اعمال کام آئیں گے، کوئی دوسرا کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ اپنی ذمہ داری کسی دوسرے پر ڈالی جا سکے گی، یہاں تک کہ شیطان پر بھی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکے گی، حالانکہ دنیا میں وہ بہکاتا بھی رہا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ انسان کو اعمالِ صالحہ کی حفاظت اور پابندی کے لیے پاکیزہ اجتماعیت کا حصہ بننا بھی ضروری ہے، کیونکہ اکیلا ہمیشہ خطرے میں رہتا ہے، جیسے اکیلے کو چور ڈاکو آسانی سے لوٹ سکتے ہیں اور آٹھ دس کو لوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح دین ایمان کے ڈاکو شیاطین اور انسان نما شیاطین بھی اکیلے آدمی کا دین ایمان آسانی سے لوٹ لیتے ہیں، جبکہ جہاں ''كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ'' کے حکم پر عمل کرتے ہوئے چند سچے اور نیک لوگ اپنی اجتماعیت قائم کر دیں ان کو لوٹنا یا گمراہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا فرد اور اجتماعیت کے اپنے اپنے دائرے ہیں۔

اجتماعیت کی اہمیت

۱: ''عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ؛ فَإِنَّ يَدَ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ اَبْعَدُ.'' (شعب الایمان للبیہقی، الحدیث: ۷۴۰۵۱، ج: ۱۳، ص: ۴۲۶، ط: مکتبۃ الرشد)

''تم جماعت کو لازم پکڑو، اور فرقہ فرقہ ہونے سے بچو، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ اور دو سے دور ہوتا ہے۔''

’’یَدُ اللهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ ، فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، فَإِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ . ‘‘

(الجامع الصحیح للسنن والمسانید، ج:۴،ص:۲۴۵)

’’جماعت کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے، اور سوادِ اعظم کی اتباع کرو، جو جماعت سے کٹا وہ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔‘‘

’’مَنْ مَّاتَ وَلَیْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَاتَ مَیْتَةً جَاهِلِیَّةً . ‘‘ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:۷۶۹)

’’جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (امیر جماعت کی) بیعت کا قلادہ نہ ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔‘‘

یعنی بغیر جماعت اور بغیر بیعتِ امیر کے زندگی گزارنا اسلام سے پہلے جاہلیت کے دور کی باتیں ہیں، اسلام نے اپنا ایک نظام دیا ہے جس میں ہر فرد اجتماعیت کی لڑی میں پرویا ہوا اور امیر کی بیعت میں بندھا ہوا ہے، شتر بے مہار کی طرح کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآن میں ’’حبل اللہ‘‘ سے مراد جماعت اور اجتماعیت ہے۔

انسان گروہوں، قبیلوں، اور جماعتوں کی شکل میں رہنا پسند کرتا ہے، چنانچہ تاریخ انسانی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ انسان ہمیشہ مل جل کر رہتے رہے ہیں۔ ماہرینِ نفسیات بھی کہتے ہیں: ایک طرف انسان میں ’’اَنا‘‘ خودی اور انفرادیت ہے تو دوسری طرف اجتماعیت کا حصہ بننا بھی پسند کرتا ہے۔ اسلام میں ایک طرف اپنی ذات اور اعمال کا ذمہ دار انسان کو خود قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف اجتماعیت کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم بھی اسلام نے ہی دیا ہے۔

حاصل سبق

اگر کوئی فرد بہت متحرک ہو، لیکن کسی اجتماعیت کا حصہ نہ بنے تو یہ مطلوب نہیں، کیونکہ یہ فطرت کے خلاف بھی ہے اور اسلام کے خلاف بھی۔ اگر کوئی فرد ساکت ہو، لیکن ساتھ ہی کسی اجتماعیت کا حصہ بن جائے تو یہ بھی پسندیدہ نہیں، کیونکہ اپنی ذات اور اعمال کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ ایک فرد اپنی ذات میں کتنا ہی متقی کیوں نہ ہو، لیکن قرآن اسے سچوں کے ساتھ جڑنے کا حکم دیتا ہے، تاکہ یہ انفرادی نیکی کسی بڑے اجتماعی نظام کے قیام میں حصہ ڈال سکے۔ ایک فرد نافرمان ہو، بدی کے راستے پر چل رہا ہو، لیکن ساتھ وہ کسی اجتماعیت کا حصہ بن کر یہ سمجھے کہ یہ اجتماعیت مجھے آخرت میں بچالے گی تو یہ بھی اس کی بھول ہے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اجتماعیت مضبوط کیسے ہوتی ہے؟

’’إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ‘‘(الصّف:۴)

’’اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے رستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔‘‘

یہ بہت جامع آیت ہے، جس میں کئی سبق مضمر ہیں:

❶:-’’يُقَاتِلُوْنَ‘‘:......اللہ کو اپنے بندوں میں سے وہ بندے محبوب ہیں جو اس کی خاطر اس کی راہ میں جان کی بازی لگانے اور خطرات مول لینے کے لیے تیار بیٹھے ہوں۔

❷:-’’فِيْ سَبِيْلِهٖ‘‘:......وہ بندے شعوری طور پر سوچ سمجھ کر اس کی راہ (فی سبیل اللہ) میں قتال کریں، نہ کہ کسی اور راہ یا کسی اور مقصد کے لیے۔

❸:-’’صَفًّا‘‘:......یعنی وہ بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہوں، بلکہ صف بستہ ہوکر لڑیں، اور وہ منظم اجتماعیت میں پروئے ہوئے ہوں، صرف بھیڑ یا رش نہ ہو۔

❹:-’’بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ‘‘:......کوئی بھی اجتماعیت اس وقت تک سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہیں بن سکتی، جب تک چار صفات پیدا نہ ہوں:

۱:-عقیدے اور نصب العین میں مکمل اتفاق: اگر اس میں اختلاف ہوگا تو مضبوطی قائم نہیں رہ سکتی، لہٰذا ایک عقیدے پر جمع ہونا اور ایک مقصد پر فوکس کرنا ضروری ہے۔

۲:-ایک دوسرے پر اعتماد: ایک دوسرے کے خلوص پر اعتماد کرنا، نہ کہ شک کیا جائے۔ اگر اعتماد نہیں ہوگا تو یہ اجتماعیت سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہیں بن سکتی۔

۳:-اخلاق اور احترام کا اعلیٰ معیار: اگر یہ نہیں ہوگا تو نہ ایک دوسرے کی محبت پیدا ہوگی اور نہ عزت واحترام، نتیجۃً آپس میں ہی تصادم کا خطرہ ہے۔

۴:-اپنے مقصد اور نصب العین کے ساتھ عشق اور ایسا جذباتی لگاؤ جو سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ کردے۔

یہ وہ اوصاف تھے جو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں پیدا ہوئے تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں۔

یہ وہ اوصاف تھے جو اجتماعیت کو مضبوط بناتے ہیں، اور اجتماعیت کو قائم رکھنے والی بنیادیں درج ذیل ہیں:

اجتماعیت کو قائم رکھنے والی بنیادیں

۱:۔ بیعت

بیعت کا معنی ہے عہد و پیمان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت لیتے تھے۔ عام عہد باہمی رضامندی سے منسوخ ہوسکتے ہیں، لیکن بیعتِ شرعی منسوخ نہیں ہوسکتی۔

۲:۔ سمع وطاعت

اطاعت فی المعروف واجب ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر امیر خود تو فاسق و فاجر ہو، لیکن معروف کا حکم کرے، یہاں تک کہ معروف مباح کا حکم بھی کرے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اگر تمہارا امیر ’’حبشی‘‘، ’’غلام‘‘، ’’کان ناک کٹا‘‘ ہو تو بھی اطاعت کی جائے۔‘‘ (مسلم)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی قرار دیا۔

۳:۔ نصح وخیرخواہی

یہ دونوں طرف سے ضروری ہے۔ مامور اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے اور امیر زیادتی اور ظلم نہ کرے، چنانچہ جہاں ایک طرف مامور کو ہر حال میں اطاعتِ امیر کا حکم دیا گیا ہے، وہیں امیر کو بھی وعیدیں سنائی گئی ہیں، فرمایا:

’’جس امیر نے رعیت کے ساتھ دھوکہ کیا، اس پر جنت حرام ہوگی۔‘‘ (مسلم)

’’جس امیر نے رعیت کو مشقت میں ڈالا، اللہ اُسے مشقت میں ڈالے گا اور جس نے نرمی برتی اللہ اُس سے نرمی برتے گا۔‘‘ (مسلم)

اگر امیر میں کمزوریاں ہوں تو شرعی حدود اور ادب واحترام کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

۴:۔ عدل وانصاف

کسی بھی اجتماعیت کو قائم رکھنے کے لیے ’’عدل‘‘ بنیادی پتھر ہے، اس کے بغیر اجتماعیت بکھر جاتی ہے، اسی لیے فرمایا:

’’اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی‘‘ (النحل:۹۰)

یعنی ’’بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں۔‘‘

احادیث میں عادل حکمران کے بارے میں فرمایا: ’’یوم محشر وہ عرش کے سائے تلے ہوگا۔‘‘

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کعب القرظیؒ سے پوچھا: عدل کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

’’تم چھوٹوں کے حق میں باپ بن جاؤ، اور بڑوں کے حق میں بیٹا بن جاؤ اور ہمسروں کے حق میں بھائی بھائی بن جاؤ۔‘‘

۵:۔مشاورت

یعنی دوسروں سے رائے لینا، اس سے دوسروں میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے، غور وفکر اور تبادلۂ خیال کا طریقہ آتا ہے، خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ مشاورت میں اپنی رائے‘ خلوص اور دلائل کے ساتھ دینے کے بعد دوسروں کی رائے کا احترام بھی ضروری ہے۔

۶:۔تعمیری احتساب وتنقید

کسی بھی اجتماعیت میں تنقید برائے اصلاح بہت اہم ہوتی ہے، لہٰذا ایسی تنقید جو برائے اصلاح ہو اس کی حوصلہ افزائی لازماً کرنی چاہیے، کیونکہ اجتماعیت میں کمزوریوں کا پیدا ہونا کوئی حیرت انگیز یا عجیب بات نہیں، بلکہ ایسا تو ہوتا رہتا ہے۔

تنقید کی بھی کچھ حدود ہیں، اگر خلوص پر مبنی تنقید مناسب وقت، مناسب انداز، مناسب ماحول میں مناسب طریقہ کار سے کی جائے تو فائدہ مند ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

مخلصانہ تنقید سے کسی کو بھی بالاتر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ جو جتنا بڑا ذمہ دار ہے، اسے اتنی ہی زیادہ تنقید کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھنا چاہیے۔

تنقید کرنے والے کو بھی بڑے چھوٹے کے آداب اور مراتب کا خیال رکھتے ہوئے تنقید کرنی چاہیے۔ اگر کوئی غلط انداز سے تنقید کر رہا ہو تو اس کی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ مسلسل غلط انداز سے تنقید‘ اجتماعیت کو نقصان پہنچا سکتی ہے، لہٰذا دوسروں کی اصلاح میں نرمی برتنی چاہیے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اسلام میں نکاح کا مربوط اور جامع نظام

مولانا محمد ابوبکر شیخوپوری

جامعہ اسلامیہ امدادیہ، چنیوٹ

نکاح، نسلِ انسانی کی بقاء کا ذریعہ اور خواہشِ نفسانی کی تکمیل کا مہذب طریقہ ہے۔ مذہبِ اسلام میں اسے عبادت کا درجہ حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے مسجد کے نورانی اور پاکیزہ ماحول میں منعقد کرنے کی تلقین کی گئی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’أعلنوا هٰذا النكاح واجعلوه في المساجد‘‘ یعنی ’’یہ نکاح اعلانیہ طور پر کرو اور مسجد میں اس کا اہتمام کرو۔‘‘ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ’’أفضل المساجد‘‘ یعنی مسجد حرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے رشتۂ ازدواج منسلک کیا تھا۔ نیز اس پرمسرت موقع پر خطبۂ مسنونہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثناء اور قولِ سدید اور تقویٰ وورع کی نصیحت نکاح کے مذہبی تشخص کو اُجاگر کرتی اور اس کے عبودیت کے پہلو کو عیاں کرتی ہے۔ اس کے برعکس کفار کے ہاں نکاح محض نفس رانی اور خواہش پرستی کا نام ہے، اس لیے وہ رقص وسرود کی محفلوں اور معصیت کے متعفن زدہ ماحول میں اس کی تقریب کا انتظام کرتے ہیں۔

نکاح کی اہمیت

اللہ رب العزت نے انسان کو رشتوں کی جس خوبصورت لڑی میں پرویا ہے، ان میں ایک اہم رشتہ عقدِ نکاح کے ذریعہ زوجین میں طے پانے والی نسبت ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اس رشتے کو نسبی رشتے کے ساتھ مقامِ نعمت میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ سورۃ الفرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا‘‘ (الفرقان: ۵۴)

’’اور وہ (اللہ) ایسی ذات ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا۔‘‘

نکاح نبی کریم ﷺ کی مرغوب چیزوں میں سے ہے، ایک طویل حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

''حبب إليّ من دنياكم ثلاث: الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلٰوة.''

''تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے گیارہ عورتوں سے شادی فرمائی، جس سے نکاح کی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اُمت کو ازدواجی زندگی کے زریں اصول بھی فراہم کیے۔ پھر صرف اپنی ذات کی حد تک نہیں، بلکہ اسے اپنے سے پیشتر تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت قرار دیا، چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أربع من سنن الأنبياء: الحياء والتعطر والسواك والنكاح.''

''چار چیزیں انبیاء (علیہم السلام) کی (متفقہ) سنتیں ہیں: حیاء، خوشبو، مسواک اور نکاح۔''

اسلام اور رہبانیت

مذہبِ عیسائیت میں رہبانیت کا تصور پایا جاتا ہے، جو قرآنی بیان ''وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا'' کی رو سے خدائی پابندی کے بغیر ان کا اپنا ایجاد کردہ نظریہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عیسائی نکاح کو عبادت میں مخل سمجھتے ہیں، اس لیے ان کا ایک بڑا طبقہ نکاح کے عمل سے کنارہ کش ہوکر جنگلوں، غاروں اور خلوت گاہوں کا رُخ کر لیتا ہے اور تمام زندگی وہیں گزار دیتا ہے، جبکہ اسلام جیسے عالمگیر اور آفاقی مذہب میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں، نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد ہے:

''لا رهبانية في الإسلام''..... ''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔''

بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے تو نکاح عبادت میں معین و مددگار ثابت ہوتا ہے، کیونکہ حدیث کی روشنی میں نکاح انسان کی فرج اور قلب ونظر کا محافظ ہے اور جس قدر دل اور نگاہ پاک ہوں گے، اُسی قدر حق تعالیٰ کی معرفت کا عکس اس میں شفاف ہوگا، پھر جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوگی اتنا عبادت کی طرف میلان اور رجحان زیادہ ہوگا۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین آدمی نبی کریم ﷺ کی ازواج کے پاس آنحضرت ﷺ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے آئے، جب انہوں نے آپ ﷺ کی کثرتِ عبادت کے بارے میں سنا تو اپنی عبادت کو کم خیال کرنے

لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں تمام عمر شب بیدار رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ساری زندگی روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے جدا رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ اس دوران نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا:

''أما والله إني أخشاكم لله وأتقاكم له، لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني.''

''اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہٰذا جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

اس سے منشاء نبوت یہ تھا کہ انسان ان بشری تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ بھی عبادت کا فریضہ بخوبی اور بکثرت سرانجام دے سکتا ہے، اس کے لیے طبعی حوائج کے ترک کی ضرورت نہیں۔

رشتۂ ازدواج کی نزاکت

اپنی مسلمہ افادیت کے ساتھ ساتھ یہ اہم رشتہ نزاکت اور لطافت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ سنجیدگی، مذاق، غصے، پیار، اجبار اور اختیار میں ایک لفظِ قبول سے یہ قائم ہوجاتا ہے اور ان تمام صورتوں میں ایک لفظ طلاق یا اس کے ہم معنی کنائی لفظ سے برسہا برس پر محیط تعلق پاش پاش ہوجاتا ہے۔ ایک لحظے میں اپنائیت سے اجنبیت اور اجنبیت سے اپنائیت کا طویل سفر طے کرنے میں اس کا کوئی بدل نہیں، لہٰذا کسی لمحہ بھی اس کے نزاکتی پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، ورنہ آتشِ غضب میں مشتعل ہوکر کیا گیا کوئی بھی جذباتی فیصلہ ہنستے بستے گھر کو ویران کرکے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی زندگی کو حسرت وندامت کے اس تاریک غار میں دھکیل سکتا ہے، جہاں سے واپسی کا سفر ناممکن ہوجاتا ہے۔

قرآنی فیصلے ''الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ'' کے مطابق اس رشتے کے قیام اور انہدام کی ڈوری مرد کے ہاتھ میں پکڑائی گئی ہے، اس اختیار کا ناجائز اور بے موقع استعمال کرکے اپنی عزت تک قربان کردینے والی اور خاوند کی دلجوئی کے لیے ہر جتن کردینے والی رفیقۂ حیات کے ساتھ یہ نازیبا سلوک شرعاً اور عقلاً کسی طرح بھی درست نہیں، چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''أبغض الحلال إلى الله تعالىٰ الطلاق''

’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے۔‘‘

نکاح میں سادگی

نکاح چونکہ ہر امیر وغریب اور مردوزن کی یکساں بشری ضرورت ہے، اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے اس کو سادگی کے ساتھ منعقد کرنے اور خواہ مخواہ کے تکلفات سے دور رکھنے کی ہدایت کی ہے۔شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

’’إن أعظم النكاح بركة أيسرهٗ مؤنة.‘‘

’’سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم تکلف ہو۔‘‘

بدقسمتی سے سادگی اور بے تکلفی کی اس اہم دینی ہدایت کو ہمارے مسلم معاشرے میں یکسر نظرانداز کرکے اس طبعی اور فطری عمل کو مشکل سے مشکل تر بنادیا گیا ہے۔متحدہ ہندوستان میں دس صدیوں پر محیط اسلامی سلطنت میں چونکہ ہندو بھی بطورِ اقلیت کے مسلمانوں کے ساتھ رہے، پھر اسلامی حکومت کے زوال کے بعد سلطنتِ برطانیہ میں بھی دونوں قومیں ایک ساتھ رہیں، اس لیے ہندوؤں کی بہت سی رسومات اور خرافات مسلم سماج کا حصہ بن گئیں، جو تقسیم ہند کے تہتر سال بعد بھی بدستور رائج ہیں، جن پر عمل کرنا فرض اور واجب عمل کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔اس موقع پر رسم حناء، نیوتہ، جہیز اور بیسیوں قسم کی غیر عقلی اور غیر شرعی رسومات ادا کی جاتی ہیں، جن کے بغیر نکاح کی تقریب کو نامکمل متصور کیا جاتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہورہا ہے۔ان رسومات کا نقصان یہ ہے کہ ان کی ادائیگی کے لیے مطلوب رقم نہ ہونے کی وجہ سے قوم کی لاکھوں بچیاں نکاح کی عمر سے متجاوز ہوجاتی ہیں اور شوہر کی صورت میں ایک محفوظ سائبان سے محروم رہ جاتی ہیں، ان کے بے بس والدین کی راتیں زندگی میں بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کرنے کا خواب سراب بنتے دیکھ کر دکھ اور کرب میں گزرتی ہیں۔مستعار رقم سے ان رسومات کی ادائیگی کرکے بیٹیاں بیاہ دیں تو تمام عمر قرض کے منڈلاتے سائے ان کی زندگی اجیرن کیے رکھتے ہیں۔اس تشویشناک صورت حال میں ان رسومات کے انسداد اور سدِ باب کے لیے معاشرے کے بااثر اور سرکردہ افراد کو مؤثر آواز بلند کرنی چاہیے اور انسانی حقوق کی قومی اور بین الاقوامی تنظیموں اور اربابِ حل وعقد کو سنجیدگی سے قانونی جدوجہد کرنی چاہیے۔

رفیقۂ حیات کی تلاش

نکاح کے سلسلہ کی اہم ترین کڑی شریکِ حیات کی تلاش ہے۔اس حوالے سے شریعت کی

تعلیم یہ ہے کہ عورت کے حسب ونسب، مال وزر اور حسن و جمال سے زیادہ اس کی دینداری کے پہلو کو دیکھا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے:

’’تنكح المرءة لأربع خصال: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك‘‘

’’چار خصلتوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے اور اس کے حسب کی وجہ سے اور اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، لہٰذا تو دین والی کو اختیار کر (پھر بطور تکیہ کلام کے فرمایا) تیرے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں۔‘‘

اس میں حکمت یہ ہے کہ ماں کی گود اولاد کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے، جب عورت نیک ہوگی تو اس کی پارسائی اولاد کی تربیت پر اثر انداز ہوگی، پھر یہ اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ’’أو ولد صالح يدعوله‘‘ کی روشنی میں صدقہ جاریہ بن کر والدین کے لیے نجات کا سبب ہوگی۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ حکایت اہلِ علم میں مشہور ہے، معروف حنفی فقیہ شیخ محمد بن احمد سمرقندیؒ کی صاحبزادی کا نام فاطمہ تھا، جو علم وفضل میں اپنے والد کی طرح تھی، موصوفہ کی علمی شہرت کی وجہ سے روم اور عرب کے بہت سے مسلم سلاطین وحکام کی جانب سے انہیں نکاح کی پیشکش کی گئی، لیکن فاطمہ کی ایک ہی شرط تھی کہ میں اس شخص سے نکاح کروں گی جو میرے والد قابل قدر کی کتاب ’’تحفة الفقهاء‘‘ کی شرح لکھے گا۔ شیخ محمد بن احمد سمرقندیؒ کے مایہ ناز شاگرد علاء الدین کاسانیؒ نے ’’بدائع الصنائع‘‘ کے نام سے اس کتاب کی شرح تحریر کی۔ والد نے اپنی بیٹی کی شرط کے مطابق اپنے اسی شاگرد کے ساتھ باوجود اُن کے مفلس اور غریب ہونے کے نکاح کر کے رخصت کر دیا۔ بعد میں اللہ نے انہیں مالی وسعت بھی عطا فرمائی اور ایسا علمی فضل وکمال عطا فرمایا کہ ان کی تصدیق کے بغیر سمرقند میں کوئی فتویٰ معتبر نہیں مانا جاتا تھا۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

کلام: ’’سب سے پہلے مشیت کے انوار سے نقشِ روئے محمد بنایا گیا‘‘

شاعر کون ہے؟

مولانا عبدالصمد ساجد
مدرس ومعین دارالافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال، ضلع سرگودھا

جب سے ہوش سنبھالا ایک نعتیہ کلام حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ (بانیِ دارالعلوم دیوبند) کی طرف منسوب سنتے اور پڑھتے آئے، کلام درج ذیل ہے:

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے نقشِ روئے محمد بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی بزمِ کون و مکاں کو سجایا گیا
وہ محمد بھی احمد بھی محمود بھی حسنِ مطلق کا شاہد بھی مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیرمحدود بھی ظاہراً اُمیوں میں اٹھایا گیا
اس کی شفقت ہے بے حد و بے انتہا اس کی رحمت تخیل سے بھی ماورا
جو بھی عالَم جہاں میں بنایا گیا اس کی رحمت سے اس کو بسایا گیا
کس لیے حشر کا ڈر ہو قاسم مجھے میرا آقا ہے وہ میرا مولا ہے وہ
جس کے قدموں میں جنت بسائی گئی جس کے ہاتھوں سے کوثر لٹایا گیا

نہ صرف عوامی نعت گوحضرات کو اسے قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کی طرف منسوب کرتے پایا، بلکہ بعض اہلِ علم شخصیات نے بھی اس کلام کی نسبت حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف کردی۔

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید، ڈابھیل کے فاضل حضرت مولانا مجاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۶ء-۲۰۱۹ء) نے اپنی کتاب ’’علماءِ دیوبند، عہد ساز شخصیات‘‘ (مطبوعہ سیرت مرکز،

فیصل آباد، ۲۰۰۴ء) ص: ۲۰۴ پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ نعت نقل فرمائی ہے، مکتبہ رشیدیہ کراچی سے چھپنے والے سالانہ مجلہ ''یادگارِ اکابرؒ'' کے حجۃ الاسلام نانوتوی نمبر (ص: ۳۴۳، ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۵ء) میں بھی یہ کلام حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے نام سے شائع ہوا ہے، نیز معروف عالم اور خطیب مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی بعض تقاریر میں اس کو حضرت نانوتویؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے پڑھا ہے، اپنے ایک خطاب میں مولانا ضیاء الرحمٰن شہیدؒ فرماتے ہیں: ''مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ السلام کی شان میں ایک شعر کیا ایک قصیدہ ہے، کئی قصیدے قصائدِ قاسمی میں ہیں، یہ کلام غیر مطبوعہ کلام ہے۔'' (آگے یہی کلام ہے)۔ (جواہراتِ فاروقی، ج:۱، ص:۹۸، اقرأ بکڈپو، دیوبند)

چند روز قبل ہمارے نہایت محسن اور کرم فرما دوست منصور الحق سلمہٗ (جو غیر عالم ہونے کے باوصف ذوقِ مطالعہ وشوقِ کتب بینی میں اپنی مثال آپ ہیں، ماشاء اللہ) نے باحوالہ یہ انکشاف کیا کہ یہ کلام حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا ہے ہی نہیں، بلکہ یہ مشہور شاعر پروفیسر کرم حیدری کا کلام ہے جو ان کے کلام کی کتاب ''نِعَم'' کے ص: ۳۹ پر موجود ہے، جسے تاج کمپنی لاہور پاکستان نے ۱۴۰۰ھ میں شائع کیا ہے اور اس میں آخری شعر یوں ہے:

حشر کا غم مجھے کس لیے ہو کرم میرا آقا ہے وہ میرا مولیٰ ہے وہ
جس کے دامن میں جنت بسائی گئی جس کے ہاتھوں سے کوثر لٹایا گیا

اس کے مزید کچھ اشعار بھی ہیں جو عام طور پر پڑھے نہیں جاتے، کرم حیدری اردو اور پنجابی کے شاعر تھے، اصل نام محمد کرم داد اور ان کے والد کا نام ملک حکیم داد تھا، پیدائش ۱۲؍اگست ۱۹۱۵ء ترپیٹ، راولپنڈی پاکستان میں ہوئی، متعدد تصانیف سپردِ قلم کیں، ۳۱؍جنوری ۱۹۹۴ء اسلام آباد پاکستان میں وفات ہوئی۔

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا مجاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر حضرات نے اس کلام کو حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی طرف جو منسوب کیا ہے وہ تسامح ہے، جس کی وجہ تسامع اور عمومی شہرت تھی، جس پر یہ حضرات بجا طور پر معذور ہیں۔

ویب سائٹ ''اردو ویب'' پر اٹک کے شاعر جناب سید شاکر القادری تبصرہ کرتے ہیں کہ:

''مولانا قاسم نانوتویؒ قادر الکلام شاعر تھے، وہ اتنا بے وزن مقطع تو نہیں کہہ سکتے، لگتا ہے کسی عقیدت مند نے ان کا نام مقطع میں فٹ کر دیا ہے، ورنہ ہم نے تو اس مقطع کو یوں سنا ہے: ''حشر کا غم مجھے کس لیے ہو کرم، میرا آقا ہے وہ میرا مولا ہے وہ'' اس میں قاسم کی بجائے

کرم تخلُّص ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ کرم حیدری کی نعت ہو اور اگر مولانا کی نعت ہے تو ان کی کونسی کتاب یا رسالے سے نقل کی گئی ہے؟۔''

سید شاکر القادری کا اصل نام سید ابرار حسین گیلانی ہے، یہ اردو، فارسی اور پشتو پر یکساں مہارت رکھتے ہیں اور اردو اور فارسی کے خوش گو شاعر ہیں۔

نیز حضرت نانوتویؒ کے کلام اور طرز و اسلوب سے یہ کلام کسی طرح مناسبت و موافقت نہیں رکھتا، ہمارے ایک عالم مولانا عبدالجبار سلفی زید مجدہٗ فرماتے ہیں کہ:

''مدت گزری کہ ایک مرتبہ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اسٹیج پہ بیٹھے ہوئے تھے، ایک خطیب صاحب نے اپنی تقریر میں جب یہی اشعار امام نانوتوی علیہ الرحمۃ سے منسوب کرکے پڑھے تو علامہ صاحبؒ نے مخصوص انداز میں ہمارے کان میں فرمایا: ''یہ اردو بھلا اس زمانے کی ہے سہی؟۔''

عہدِ حاضر کے عظیم مؤرخ و محقق مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی مدظلہم سے اس کلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کی نسبت مشکوک قرار دی۔

اس کلام کے بعض مصرعوں پر نظریاتی حوالے سے بھی کلام ہوسکتا ہے، بندہ نے اپنے استاذِ گرامی قدر مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم (رئیس دارالافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا) سے اس کلام کی بابت استفسار کیا تو فرمایا کہ:

''لگتا یہ ہے کہ یہ حضرت کا کلام نہیں ہے، ایسے ہی کسی نے ادھر منسوب کردیا ہے، اس کلام کے بعض مصرعے بھی لفظی اور معنوی اعتبار سے محلِ نظر ہیں۔''

بہرحال تجوُّز و توسُّع سے کام لیتے ہوئے کلام میں اگر کوئی تاویل بھی کرلی جائے تو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ کلام حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا ہے، بلکہ دلائل و قرائن سے اس کی نفی ہوتی ہے۔

ریڈیو پاکستان نے بھی اس کلام کو کرم حیدری کے نام سے نشر کیا ہے، ملک پاکستان کے نامور نعت خواں سید منظور الکونین مرحوم نے بھی اس کو ''کرم'' تخلُّص کے ساتھ پڑھا ہے۔

الحاصل اس کلام کی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت نہ صرف مشکوک بلکہ غلط ہے، اس لیے ریکارڈ میں اس کی درستی ضروری ہے۔

...... ❁ ...... ❁ ...... ❁ ......

خاندان !
تہذیب کی اولین آماجگاہ

ڈاکٹر ساجد خاکوانی
اسلام آباد

خاندان انسان کی پرورش کی سب سے پہلی سیڑھی ہوتا ہے۔ یہ خدائی قانون ہے کہ انسان ایک خاندان میں آنکھ کھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں سورۂ نساء کے اندر فرمایا:

’’یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا‘‘ (النساء:۱)

ترجمہ: ’’اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔‘‘

یہ گویا انسانی خاندانوں کی ابتدا کا پس منظر بیان کیا گیا کہ کس طرح ایک آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ تخلیقی سے پوری دنیا کو انسانوں سے بھر دیا ہے۔ یہ سلسلہ جس طرح ماضی میں ہر دور، ہر وقت اور ہر قسم کے حالات میں جاری رہا، اسی طرح آج بھی ہے اور اسی طرح آخری انسان کی پیدائش تک جاری رہے گا کہ یہی قدرتِ خداوندی ہے اور یہی منشائے ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ خاندان کی ابتدا ماں باپ سے کرتا ہے، دو جانیں باہم مل کر ایک گھر کی بنیاد رکھتے ہیں، پھر ان کے ہاں اولاد جیسی نعمت پیدا ہوتی ہے، جہاں سے بہن اور بھائی کے رشتے جنم لیتے ہیں، یہ بہن بھائی بڑے ہو کر جب شادیاں کر لیتے ہیں تو بہنوئی، داماد اور بہو جیسے سسرالی رشتے داریاں جنم لے لیتی ہیں اور خاندان اپنی وسعتوں کو چھونے لگتا ہے، یہاں تک کہ

پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں خوشبو کی حقیقت کے وہ استعارے ہیں جن سے انسان کا باغیچہ مہک اُٹھتا ہے اور وہ اپنی لہلہاتی فصل کو دیکھ کر پھولا نہیں سماتا ہے۔ دادا، دادی اور نانا نانی پیار اور محبت کے وہ پیمانے ہیں جن میں اُلفت ومحبت کے جام چھلکنے لگتے ہیں اور دنیا کی کسی لغت کا دامن اس چھلکتے ہوئے جام کی آسودگی وتراوٹ کو اپنے اندر سمونے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں بھی خاندانوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ:

’’یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ‘‘ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: ’’اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف خاندان بنایا ہے، تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔‘‘

خاندان بعض اوقات تکبر اور فخر وغرور کی علامت ہوتا اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، قرآن مجید نے اس کا تدارک کیا ہے، یعنی برہمن خاندان اس لیے عزت والا نہیں ہے کہ وہ برہمن ہے اور شودر اس لیے نیچ نہیں ہوسکتا کہ اس نے کسی شودر کے گھر میں جنم لیا ہے، یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں کہ کس نے کس کے ہاں پیدا ہونا ہے، کوئی بچہ اپنی مرضی سے کسی کے ہاں وارد ہوسکتا ہے اور نہ کوئی والدین اپنی مرضی سے بچوں کا انتخاب کرسکتے ہیں، پس جس خدا نے اپنی مرضی سے خاندانوں کی تقسیم کی ہے، اس کا حکم ہے کہ خاندان کسی عز وشرف کی بنیاد نہیں ہوسکتے، بلکہ یہ صرف پہچان کے لیے ہی ہیں کہ جب ایک ہی نام کے متعدد افراد ہوں گے تو وہ اپنے خاندان، قبیلے یا نسل کی بنیاد پر پہچانے جائیں گے۔ خاندانی تفاخر دورِ جہالت کی یاد تازہ کرتا ہے، جب کہ عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے کہ کوئی اپنے رب سے کس قدر قریب تر ہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ میں تقویٰ موجود ہے تو وہ خاندانی کہتری کے باوجود عزت ووقار میں ابوجہل سے کہیں بڑھ کر ہیں، جس میں شاید دنیا بھر کی خاندانی وجاہت سمٹ کر جمع ہوچکی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

’’تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور میں بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہوں۔‘‘

گویا انسان کا بہتر یا بدتر ہونا دراصل اس کے گھر والوں کے ساتھ رویے پر منحصر ہے۔ دوستوں کے ساتھ، افسر کے ساتھ اور دکان والوں کے ساتھ تو سبھی بہتر ہوتے ہیں، لیکن اپنے خاندان، اپنے بچے، اپنی

بیوی، اپنے والدین اور اپنے سسرال کے ساتھ کون اچھا ہے؟ یہ اصل سوال ہے۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو عمر میں ابھی کم سن تھیں، انہوں نے تماشا دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھڑکنے یا منع کرنے کی بجائے اور باپ یا بھائی سے یہ تقاضا کرنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن کی یہ خواہش پوری کی اور حکمِ حجاب کے باعث دروازے میں آگے کھڑے ہوگئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے سے تماشا دیکھتی رہیں، کافی دیر گزر چکنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا تماشا دیکھ لیا؟ بی بی صاحبہ نے جواب دیا کہ نہیں ابھی اور بھی دیکھنا ہے۔ ظاہر ہے اس عمر میں دل کہاں بھرتا ہے؟! یہ سب سے بڑے انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک کہ بی بی صاحبہ کا دل نہ بھر گیا۔ بی بی فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، جب بھی وہ تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حُب واحترام میں اُٹھ کھڑے ہوتے اور ان کے ماتھے پر بوسہ بھی دیتے، حسنین کریمین شفیقین محترمین (رضی اللہ عنہما) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جان سے عزیز تر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اپنے کندھوں کی سواری کراتے تھے اور انہیں جنت کے نوجوانوں کے سردار بھی قرار دیا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر کم وبیش چھ ہزار افراد غلام بنائے گئے تھے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن کو لایا گیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمر پر دندی کاٹی تھی، جس کا نشان آج بھی وہاں پر موجود ہے، اس بہن نے ان قیدیوں میں سے چند کی سفارش کی، جنہیں محسنِ نسواں صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردیا، جب یہ بہن باہر تشریف لائیں تو چھ کے چھ ہزار قیدیوں کے رشتہ دار منت سماجت کرنے لگے کہ خدارا ہمارے قیدیوں کو بھی چھڑالاؤ، یہ بہن اپنے عظیم بھائی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پھر حاضر ہوگئیں اور کل قیدیوں کی رہائی کی بابت سفارش کرڈالی، تب اس بھائی کی شان ملاحظہ ہو کہ کمالِ شفقت ومہربانی سے کل قیدیوں کو رہائی عطا کردی۔ کیسا شاندار بھائی اور کتنی ہی محبت والی بہن، یہ آسمان شاید پھر کبھی نہ دیکھ سکے۔ یہ رضاعی خاندانی محبت کی ایک مثال ہے۔

خاندان کی پرورش اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عمدہ عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کی پرورش پر جنت کی خوشخبری دی ہے، صالح اولاد کو صدقہ جاریہ قرار دیا، حافظِ قرآن وحافظۂ قرآن کو والدین کی شفاعت کا مژدہ سنایا، شہید کی ماں کے دامن کو خدا کی رحمت سے بھردیا اور سخت تاکید کی کہ اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنائیں اور انہیں سات سال کی عمر سے نماز کی تلقین شروع کردیں اور دس سال کی عمر میں اُن پر سختی کرنے لگیں، تاکہ نماز کے معاملے میں وہ سستی سے باز آجائیں۔ ہم میں سے ہر کوئی گلہ بان ہے اور اس کے گلے کے بارے میں ہم سے سوال ہوگا۔ ہمارا گلہ ہمارا خاندان ہے، ہم اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ ہمارے خاندان میں غیرشرعی رسوم ورواج جگہ تو نہیں پا رہے؟ ہمارے خاندان میں دولت کے بل بوتے پر ایسی

روایات تو جنم نہیں لے رہیں جنہیں مقابلۃً غریب رشتہ دار گھرانوں کو پورا کرنا مشکل ہو جائے؟ ہمارے خاندان کا رویہ قطع رحمی کا باعث تو نہیں بن رہا؟ اور کیا ہم اپنے خاندان کو دنیا کے رنگ میں رنگ رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے رنگ میں اور آخرت کا طلب گار بنا کر قربِ خداوندی کا باعث بن رہے ہیں؟

یورپ اپنی سیکولر سوچ کے باعث آج اپنے خاندانی نظام کو تباہ کر بیٹھا ہے اور اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک بہت بڑی وجہ آزادیِ نسواں کے نام پر آزادیِ زنا ہے، اب عمائدینِ یورپ اپنی پشتوں اور نسلوں کی بقا کے لیے مجبور ہیں کہ خاندان کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لیے سال بھر میں ایک دن اس مقصد کے لیے منائیں، تاکہ سیلاب، زلزلوں اور طوفانوں میں وہاں کے لوگ اپنے والدین اور بزرگوں کو حالات اور ریاستی اداروں کے سپرد کرکے اپنے کتوں اور بلیوں کے ساتھ بھاگنے کے رویے سے باز آجائیں۔ سیکولرازم کے اس رویے نے انسان کو جانور سے سے بھی بدتر بنادیا ہے، کیونکہ حلالی اور غیر حلالی کے مٹتے ہوئے فرق کی بنا پر انسانی خاندانی اعلیٰ روایات کی جگہ پیٹ کی خواہش اور پیٹ سے نیچے کی خواہش نے لے لی ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرق و ایشیا میں انبیاء علیہم السلام کا آغاز کردہ ''نکاح'' کا ادارہ اپنے جملہ حدود و قیود کے ساتھ موجود ہے، دینی و مذہبی شعور کے باعث یہاں کے گھروں میں دن کا آغاز کسی بڑے کی آواز سے بیداری کے بعد شروع ہوتا ہے اور دن کا انجام گھر کی بڑی بزرگ خاتون کی کہانی یا لوری سے اختتام پذیر ہوتا ہے۔ انسانیت بالآخر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کی طرف ضرور پلٹے گی اور ہر چڑھتا ہوا سورج خاندان کی عظمت و برتری کا سورج ہوگا اور خاندان کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لیے کسی ایک دن کے منانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

.....❁.....❁.....❁.....

باؤنس چیک پر وصول کیے گئے چارجز کا حکم!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

ہمارا کام ڈسٹری بیوشن کا ہے، ہمارے سیلز مین دکانداروں کو مال فروخت کرتے ہیں، بعض دکاندار نقد کے بجائے چیک کے ذریعے ادائیگی کرتے ہیں اور یہ چیک کبھی باؤنس بھی ہوجاتے ہیں، (یعنی دکاندار کے اکاؤنٹ میں رقم نہیں ہوتی جس پر بینک وہ چیک ہم کو واپس کردیتا ہے)۔ بینکوں کا قاعدہ تھا کہ وہ باؤنس چیک پیش کرنے والے سے ۱۰۰ روپے چارجز وصول کرتے تھے، لہٰذا ہر ایسے چیک پر کمپنی کے اکاؤنٹ سے ۱۰۰ روپے کٹ جاتے تھے۔ کمپنی یہ ۱۰۰ روپے اپنے اس سیلز مین سے وصول کرلیتی تھی جو یہ چیک لایا تھا اور وہ یہ چارجز دکاندار سے وصول کرلیتا تھا، یعنی یوں سمجھیں کہ باؤنس چیک کے چارجز کی وصولی کی ترتیب درج ذیل ہوتی تھی:

بینک — کمپنی — سیلز مین — دکاندار

وسیع کاروبار کی وجہ سے روزانہ ہی بہت سارے چیک باؤنس ہوتے تھے اور یہ ایک مستقل کا معمول تھا، اس لیے کمپنی کی یہ پالیسی بن گئی کہ جس سیلز مین کا لایا ہوا چیک باؤنس ہوجاتا تھا، کمپنی مہینے کے اختتام پر ایسے تمام چیکوں کی گنتی کرکے ہر سیلز مین کی تنخواہ میں سے اس کے لائے ہوئے چیکوں کے حساب سے چارجز کی کٹوتی کرلیتی تھی، جو کہ سیلز مین متعلقہ دکاندار سے یا تو پہلے ہی وصول کرچکا ہوتا تھا یا پھر بعد میں وصول کرلیتا ہے اور یا پھر وہ اپنے تعلقات اچھے رکھنے کے لیے اپنی صوابدید پر دکاندار سے کچھ بھی وصول نہ کرتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض چالاک سیلز مین دکاندار سے ۱۰۰ روپے سے زیادہ بھی وصول کرلیتے (لیکن ایسا کرنے والے کم تھے اور یہ ان کا ذاتی فعل تھا جس کا کمپنی سے کوئی تعلق نہ تھا) چونکہ

سیلز مین کا دکاندار سے چارجز وصول کرنا یا نہ کرنا ان دونوں کے درمیان کا معاملہ ہوتا تھا، لہٰذا کمپنی نہ تو اس کے پیچھے پڑتی تھی اور نہ ہی اس کی کوئی معلومات کمپنی کے پاس میسر ہوتی تھی کہ کس سیلز مین نے دکاندار کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

اب چند سال قبل واقعہ یہ پیش آیا کہ بینک نے خصوصی سہولت کے طور پر باؤنس چیک پر ہم سے یہ چارجز وصول کرنا بند کردیئے، لیکن ہمارا طریقۂ کار اسی طرح جاری رہا (جس کی وجہ یہ تھی کہ چلتی ہوئی پالیسی کو تبدیل کرنے کی طرف توجہ ہی نہ ہوئی) چنانچہ بینک نے کمپنی سے تو کٹوتی بند کردی، لیکن کمپنی حسبِ سابق اپنے سیلز مینوں سے وصول کرتی رہی (اور وہ آگے دکانداروں سے حسبِ تفصیلِ سابقہ) اب یہ معلوم نہیں کہ بینک نے یہ کٹوتی کب بند کی، البتہ اس کو بند ہوئے کئی سال ہوچکے ہیں، لیکن یہ عرصہ ۵، ۷، ۱۰، ۱۲ کتنے سال کا ہے؟ کوشش کے باوجود ہمیں معلوم نہیں ہوسکا۔

واضح رہے کہ بعض بینکوں کا عمومی اصول اب بھی چارجز لینے کا ہے، لیکن ہماری کمپنی کو انہوں نے مستثنیٰ کردیا تھا۔ اس وجہ سے یہ معلوم نہیں کہ ایسا کب ہوا تھا اور نہ ہی بینکوں سے یہ معلوم کرنا آسان ہے، کیونکہ یہ کافی پرانا معاملہ ہے، نیز متعلقہ ملازمین/ افسران بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے پاس باؤنس چیک کے چارجز کی مد میں پیسے جمع ہوتے رہے، جو سیلز مینوں کی تنخواہ سے کٹتے تھے اور یہ چیکوں کی کثیر تعداد کی وجہ سے بہت بڑی مقدار میں ہیں۔ ہمارے پاس Computer میں محفوظ ریکارڈ کے مطابق گزشتہ چھ سالوں میں باؤنس چیک کی کل تعداد تیس ہزار سے زیادہ بنتی ہے، جس کو ۱۰۰ روپے سے ضرب دیں تو ۳۰ لاکھ سے زیادہ کی رقم بنتی ہے۔ نیز اس محفوظ ریکارڈ میں صرف دکاندار کا نام ہے (جس کا چیک باؤنس ہوا تھا) لیکن سیلز مین کا کوئی ریکارڈ نہیں کہ کس سیلز مین سے یہ رقم وصول کی گئی تھی؟ کیونکہ وہ ریکارڈ کمپیوٹر میں نہیں ہوتا تھا، بلکہ کاغذ پر ہوتا تھا اور وہ کاغذات کچھ عرصہ میں ضائع کردیئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

ہمارے پاس صرف چھ سال کا ریکارڈ موجود ہے اور ہمیں اس بات کا درست علم نہیں کہ کتنے سال پہلے بینک نے یہ رقم وصول کرنا بند کی؟

اتنے طویل عرصے کے دوران جن سیلز مینوں سے ہم نے چارجز لیے تھے، ان کا کوئی ریکارڈ ہمارے پاس نہیں ہے اور نہ اس کا معلوم کرنا ممکن ہے؟

البتہ سیلز مین نے جن سے لیا (یا نہیں لیا) ان دکانداروں کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جب ہمارے علم میں یہ بات آئی تو آئندہ کے لیے تو اس وصولی کو روک دیا گیا، تاہم

گزشتہ کے حوالے سے درج ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں:

۱: ہمارے لیے موجودہ صورت حال میں گزشتہ وصول کردہ چارجز کے بارے میں کیا احکامات ہیں؟

۲: باؤنس چیکوں کا جو چھ سالہ ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے، اس کا حکم کیا ہے؟

۳: کیا یہ رقم دکانداروں کو لوٹانا ضروری ہے؟ جبکہ ہم نے یہ رقم اپنے سیلز مین سے وصول کی تھی، نیز بعض سیلز مین دکاندار سے تعلقات اچھے رکھنے کے لیے یہ رقم دکاندار سے وصول کرنے کے بجائے اپنی جیب سے دے دیتے تھے۔

۴: یا یہ رقم سیلز مین کو پہنچانا ضروری ہے؟ جبکہ ان کا ہمارے پاس کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ کس کے کتنے چیک باؤنس ہوئے تھے؟ اور کتنے چارجز اس سے وصول کیے گئے تھے؟ نیز بے شمار ملازم اس عرصے میں آئے اور چلے بھی گئے۔

نوٹ: واضح رہے کہ اصل حقداروں (سیلز مین) کے لیے کوئی اعلان بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ایک تو مطالبہ کرنے والوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوگا، دوسرا یہ کہ اتنی کثیر تعداد ہوگی کہ جس سے بہت بڑا انتشار اور طوفان کھڑا ہو جائے گا اور لوگ جھوٹے سچے کلیم کریں گے، جس کی پہچان کا کوئی طریقہ نہیں ہوگا۔

۵: یا یہ تمام رقم صدقہ کرنا ضروری ہے؟

۶: اگر صدقہ کرنا ضروری ہے تو کیا صرف فقراء کی ملکیت میں تملیکاً دینا ضروری ہوگا؟ یا رفاہی کاموں میں بغیر تملیک کے بھی خرچ کر سکتے ہیں؟

۷: اگر یہ کسی ایسے ضرورت مند کی مدد میں خرچ کیے جائیں جو مستحقِ زکوٰۃ تو نہ ہو، لیکن علاج معالجہ، شادی بیاہ، مکان، بچوں کی تعلیم، روزگار وغیرہ کی مدات میں ضرورت مند ہو، تو اس کو دینے کا کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر ایسے شخص کی ضرورت میں تملیک کے بغیر خرچ کر دیئے جائیں تو کیا حکم ہوگا؟

۸: اگر نمبر ۷ میں مذکور شخص کمپنی کا ملازم ہو تو اس کی مدد کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

۹: اگر رفاہی کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت ہے تو کیا کمپنی اپنی ہی برانچوں پر اپنے ملازمین کی عمومی ضرورت میں خرچ کر سکتی ہے؟ مثلاً نماز کے مصلوں کی تعمیر اور ان کا نظام، وضو خانوں کا انتظام، پانی کے کولروں وغیرہ کا انتظام، دھوپ سے بچنے کے لیے شیڈ کا انتظام کرنا، وغیرہ، وغیرہ)

۱۰: اگر بالفرض بینک نے یہ کٹوتی چھ سالوں سے بھی پہلے بند کر دی ہو (جس کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں) اور اس کا ریکارڈ بھی ہمارے پاس موجود نہیں، ان سالوں کے حوالے سے کیا احکامات

ہوں گے، جن کے بارے میں ہم بالکل اندھیرے میں ہیں؟ براہِ کرم جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

والسلام

مستفتی: اظفر اقبال رشید، مشیر شرعی امور برق کارپوریشن، کراچی

الجواب باسمہٖ تعالٰی

صورتِ مسئولہ میں بینک کی طرف سے چارجز کی وصولی بند ہونے کے بعد کمپنی نے سیلز مینوں کی تنخواہ سے جو کٹوتی کی، وہ ناحق اور ناجائز تھی، یہ کمپنی کی غفلت تھی کہ چلتی ہوئی پالیسی کو تبدیل نہ کیا، پالیسی کی تبدیلی میں جو مشکل تھی وہ کافی عذر نہ تھا۔ اب حکم یہ ہے کہ کٹوتی کی مد میں جمع شدہ رقم سیلز مینوں کو لازماً لوٹا دی جائے، کیونکہ کمپنی نے براہِ راست کٹوتی ان ہی سے کی ہے۔ اگر کسی سیلز مین نے دکاندار سے وصولی نہ کی ہو، پھر بھی اسے اس قدر لوٹانا ضروری ہے، کیونکہ سیلز مین خود کمپنی کو ادائیگی کر چکا ہے اور اس نے چونکہ دکاندار کا واجب دین ادا کیا ہے، اس لیے وہ وصولی کا بھی مستحق ہے۔

کٹوتی کی مد میں جو رقم کمپنی کے پاس جمع شدہ ہے، اس کا حکم مالِ مغصوبہ کا ہے جو واپس لوٹانا ضروری ہے، کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ کمپنی نے ناحق رقم وصول کی ہے، اس وجہ سے اصل حقدار کو حق کا پہنچانا بھی کمپنی کی ذمہ داری ہے، اصل حقدار دکاندار ہے، کیونکہ وہی مظلوم فریق ہے، کمپنی نے سیلز مین سے اور اس نے دکاندار سے وصولی کر لی ہے، تاہم کمپنی نے چونکہ سیلز مین سے کٹوتی کی ہے، اس لیے کمپنی سیلز مین کو رقم واپس کرے اور سیلز مین کی ذمہ داری ہے کہ وہ دکاندار کو ادائیگی کرے۔ اگر سیلز مین نے اپنی طرف سے ادائیگی کی ہے تو پھر بھی رقم اُسے لوٹانا ضروری ہے، کیونکہ اس نے دکاندار کے ذمہ واجب دین ادا کیا ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ سیلز مینوں کو کس طرح تلاش کیا جائے؟ کمپنی اپنے ریکارڈ سے مدد لے سکتی ہے، ورنہ اس سلسلے میں اعلانِ عام کیا جاسکتا ہے اور آج کل اعلان کے جو باوقار وسائل ہیں وہ اختیار کیے جاسکتے ہیں، جب تک اصل حقداروں یا ان کے ورثاء سے مایوسی نہیں ہو جاتی اس وقت تک یہ رقم صدقہ نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی رفاہی وفلاحی منصوبوں میں خرچ کی جاسکتی ہے۔ ہاں! اگر اصل حقدار یا ان کے ورثاء معلوم نہ ہوں تو کسی مستحقِ زکوٰۃ آدمی کو صدقہ کر دیا جائے اور ساتھ یہ تحریری وضاحت بھی بطور یادداشت کے کمپنی کے ریکارڈ میں محفوظ کی جائے، اگر اس رقم کا کوئی حقیقی مالک سامنے آ گیا تو اس کے حصے کی رقم اُسے ادا کر دی جائے گی، ایسی صورت میں صدقے کا ثواب کمپنی کے

ذمہ داروں کے لیے ہوجائے گا۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

’’عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس من عليه ذٰلك من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله وإن استغرقت جميع ماله، هٰذا مذهب أصحابنا.‘‘ (فتاویٰ شامی، ج: ۴، ص: ۲۸۳، ط: سعید)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد انعام الحق	ابوبکر سعید الرحمٰن	وحید مراد
الجواب صحیح	الجواب صحیح	تخصصِ فقہِ اسلامی
شعیب عالم	رفیق احمد	جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

نَقدُ و نظَر

ادارہ

منتخب احادیثِ قدسیہ یعنی خدا کی باتیں

تالیف: سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ تخریج وتحقیق: حضرت مولانا محمد امیر علوی صاحب مدظلہٗ۔ صفحات: ۱۸۹۔ قیمت: درج نہیں۔ ۳/ ۲۳، اے بگ پلاٹ، شاہ فیصل کالونی، کراچی۔ فون نمبر: 0300-2202937

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ ہندوستان میں فصیح وبلیغ معروف خطیب گزرے ہیں، ان کی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے عرب کے مشہور خطیب سحبان بن وائل کی نسبت سے انہیں سحبان الہند کا لقب دیا گیا۔ آپؒ کو جس طرح تقریر میں ملکہ حاصل تھا، اسی طرح آپؒ کو تحریر کا بھی شغف تھا، آپ کی دو درجن کے قریب تصنیفات وتالیفات شائع ہوئیں، ان میں ایک اہم تصنیفی کارنامہ تفسیر ’’کشف الرحمٰن‘‘ ہے، باقی تصانیف میں ایک اہم تصنیف زیرِ تبصرہ کتاب ’’احادیثِ قدسیہ یعنی خدا کی باتیں‘‘ ہے، اس میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے، جو حدیث کی اصطلاح میں احادیثِ قدسیہ کہلاتی ہیں۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ نے ان احادیثِ قدسیہ کے متن کو ذکر کیے بغیر ان کا ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ کے ساتھ ساتھ کچھ وضاحتیں اور فوائد بھی لکھے ہیں۔ اصل کتاب کافی بڑی ہے، حضرت مولانا محمد امیر علوی دامت برکاتہم جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے قدیم فاضل ومتخصص اور کئی کتابوں کے مصنف ومحقق اور شیخ طریقت ہیں، انہوں نے اس کتاب کی احادیث میں سے ضعیف اور متکلم فیہ روایات کو چھوڑ کر صحاحِ ستہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان وغیرہ جیسی کتابوں کی کچھ احادیث کا انتخاب کیا ہے، پھر ان منتخب احادیث کی تحقیق وتخریج بھی فرمائی ہے، مزید بھی کچھ ملاحظات اور حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

کتاب کا عنوان ایسا ہے کہ دل کرتا ہے کہ ہر مسلمان اس کا ضرور مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہم سے کیا باتیں کی ہیں؟ کتاب کا کاغذ عمدہ، جلد مضبوط اور

ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔

تحفۂ طلبۂ دورہ حدیث

جمع وترتیب: مولانا مفتی محمد زبیر اشرف صاحب (میمن)۔ صفحات: ۱۰۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۂ زبیر کراچی، فون نمبر: 0334-0203410۔ ملنے کا پتا: اسلامی کتب خانہ بالمقابل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

زیرِنظر کتابچہ دورۂ حدیث کے طلبہ کرام کے لیے لکھا گیا ہے۔ صحاحِ ستہ، دیگر کتبِ احادیث، ان کے مصنفین اور ان کتب کی عربی شروحات اور ان کے شارحین سے متعلق اہم اور منتخب معلومات جمع کی گئی ہیں۔

کتابچہ کی کمپوزنگ اور سیٹنگ عمدہ ہے، مگر ٹائٹل سادہ اور کاغذ ہلکا ہے۔ بہرحال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتابچہ کو طلبہ کرام اور علماء کرام کے لیے نافع بنائے اور مرتب کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین

لطائف معراج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) (السراج المنير في معراج البشير والنذير)

بیانات: جسٹس (ر) حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ (پی ایچ ڈی، لندن)۔ ترتیب وپیشکش: مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب۔ صفحات: ۲۳۱۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر (برطانیہ)۔ پاکستان میں ملنے کا پتا: محمود پبلی کیشنز (اسلامک ٹرسٹ) L.G:20، ہادیہ حلیمہ سینٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون نمبر: 0302-4284770

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ (پی ایچ ڈی، لندن) کا خاص اور ترجیحی موضوع فرقِ باطلہ کی تردید اور مسلکِ حق اہلِ سنت والجماعت (دیوبند) کا دفاع رہا، جس پر آپ کی کئی بے مثال مدلل اور ضخیم کتب شائع ہوئیں۔ زیرِتبصرہ کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم عملی معجزے اور منفرد اعزاز یعنی معراج سے متعلق آپؒ کے آٹھ خطبات ودروس کی تلخیص وتسہیل ہے۔ تکرار سے بچنے کے لیے تلخیص وتسہیل کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کتاب کے مرتب مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب نے بھی اس موضوع پر مفید اور منتخب مواد شذرات کی صورت میں جمع کیا ہے، جو اچھی اور عمدہ کاوش ہے اور اس میں مذکورہ موضوع کی نفیس مباحث اور عنوانات کا کسی قدر اِحاطہ ہوگیا ہے۔

کتاب کی فہرست میں مذکور بعض عنوانات کو اندرونی صفحات میں عنوان کے انداز میں واضح اور جلی نہیں کیا گیا، جس سے بعض اوقات قاری کو مطلوبہ مواد تک پہنچنے میں دشواری ہوتی ہے، اور اولِ وہلہ میں گمان گزرتا ہے کہ شاید صفحہ نمبر غلط لگ گیا ہے، بہتر ہوتا کہ فہرست کے عنوانات اندرونی صفحات میں بھی بڑے

فونٹ میں واضح اور جلی ہوتے۔ بہرحال کتاب کا کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط اور ٹائٹل عمدہ اور جاذبِ نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور قارئین کے لیے اُسے نافع بنائے، آمین

حیاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی إنباء الأنباء في حیاۃ الأنبیاء

مصنف: شیخ امام ابوالحسن صغیر بن محمد صادق سندھی رحمۃ اللہ علیہ۔ مترجم: مفتی محمد خالد میمن صاحب ہالوی۔ صفحات: ۱۵۲۔ قیمت: ۲۲۰ روپے۔ ناشر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، ہالا، سندھ۔ فون نمبر: 0300-3041493

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونے کا عقیدہ پوری اُمتِ مسلمہ اور مسلک اہلِ سنت والجماعت دیوبند کا اِجماعی عقیدہ ہے جو مسلکِ دیوبند کے عقائد کی ترجمان کتاب ''المھند علی المفند'' میں مذکور ہے۔

زیرِتبصرہ کتاب بعنوان ''حیاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کا موضوع عقیدہ حیات الانبیاء اور حیاتِ شہداء ہے، جو ایک عربی کتاب ''إنباء الأنباء في حیاۃ الأنبیاء'' کا اُردو ترجمہ ہے۔ اصل عربی کتاب بارہویں صدی کے سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ حضرت مولانا محمد صادق سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ہونہار فرزند علامہ ابوالحسن صغیر نقشبندی سندھی مدنی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۳۳۵ھ) کی تالیف لطیف ہے، جس میں مذکورہ عقیدہ کو قرآن وحدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، اور کچھ اشکالات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر یہ ایک مدلل، معتبر اور تحقیقی کتاب ہے۔ کتاب کے شروع میں نامور محقق حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کا ایک مختصر مقدمہ بھی ہے، جس میں تصنیف اور صاحبِ تصنیف کا تعارف کرایا گیا ہے۔

ٹائٹل پر عربی کتاب کا نام ''أنباء الأنباء الخ'' درج ہے، یعنی پہلا لفظ ''أنباء'' ہمزہ کے زبر کے ساتھ لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ بابِ افعال کا مصدر ہے، اس لیے اسے زیر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ٹائٹل پر کتاب کے نام میں اس طرح کی غلطی نہایت فحش غلطی ہے۔ پروف ریڈنگ اور علاماتِ ترقیم کی طرف بھی مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ نیز افتتاحیہ میں صفحہ نمبر: ۶ پر مصنف شیخ ابوالحسن صغیرؒ کا سن ولادت ۱۳۳۵ھ لکھا گیا ہے، حالانکہ مصنف کی پیدائش بارہویں صدی میں ہوئی ہے، یعنی درست سنِ ولادت ۱۱۳۵ھ ہونا چاہیے۔ بہرحال کتاب کا کاغذ، ٹائٹل اور جلد بندی اعلیٰ ہے۔

فیوض الباري

تصنیف: حضرت مولانا اسلام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ترتیب: مولانا محمد ایوب سورتی صاحب۔ صفحات: ۴۸۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مولانا محمد ایوب سورتی (مدیر مجلس دعوۃ الحق، لیسٹر، یوکے)۔

ملنے کا پتہ: زمزم پبلشرز، شاہ زیب سینٹر، دکان نمبر: ۲، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 0309-8204773

حضرت مولانا اسلام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق انڈیا کے صوبہ بہار کے شہر پٹنہ سے تھا، آپ نے کئی مدارس میں پڑھتے ہوئے مدرسہ امینیہ دہلی میں تعلیم کے مراحل مکمل کیے، آپ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں، فراغت کے بعد پہلے مادرِ علمی مدرسہ امینیہ دہلی میں کئی سال تدریس فرمائی، پھر دارالعلوم رامپورہ سورت گجرات اور جامعہ حسینیہ، راندیر گجرات میں دورہ حدیث تک تدریس فرماتے رہے، پھر ۱۹۸۱ء میں برطانیہ میں دارالعلوم ہولکمب بری میں جب دورہ حدیث شروع ہونے لگا تو مولانا یوسف متالا صاحبؒ کی دعوت پر آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور دیگر کتب کے علاوہ بخاری شریف بھی پڑھائی۔ ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء میں ۶۷ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال فرما کر جنت البقیع میں آرام فرما ہوئے، رحمه الله رحمةً واسعةً۔

حضرتؒ نے آخری سال بخاری شریف کی شرح لکھنا شروع کی تھی، اور سال بھر میں جو لکھ سکے وہ مطبوع ہو کر ہمارے سامنے ہے، یہ مواد دو کاپیوں میں تھا، جو حضرتؒ کے بیٹوں کے پاس محفوظ تھیں، انہوں نے وہ مولانا محمد ایوب سورتی صاحب کو فراہم کر دیں، جنہیں سورتی صاحب کافی محنت کے بعد مواد کی کمپوزنگ، تصحیح اور عنوانات کے اضافہ کے ساتھ منظر عام پر لائے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اور حضرتؒ کے صاحبزادگان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اپنے مشمولات کے اعتبار سے اس کتاب کو ایک طرح سے بخاری شریف کا مقدمہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں امام بخاریؒ کے حالات، صحیح بخاری کی اہمیت و مقام، حدیث کی عظمت و حجیت، منکرینِ حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات، وحی کی اقسام اور پہلے باب ''باب بدء الوحي'' کی مکمل شرح ہے۔ کتاب کی ترتیب درج ذیل ہے: بابِ اول: احوالِ امام بخاریؒ۔ بابِ دوم: مقدمۃ العلم۔ بابِ سوم: حجیتِ حدیث اور فتنۂ انکارِ حدیث۔ بابِ چہارم: ابحاثِ متعلقہ کتبِ حدیث۔ بابِ پنجم: کتاب کی ابتدا اور تراجم اور وحی سے متعلق مضامین۔

کتاب کے شروع میں صاحبِ تصنیف حضرت مولانا اسلام الحق رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی درج ہیں۔ کتاب کا یہ طبع دوم ہے۔ ماشاء اللہ کتاب معنوی حسن کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن سے بھی مالا مال ہے۔ کاغذ اعلیٰ، جلد نفیس و مضبوط اور طباعت دورنگہ ہے۔

درسِ نظامی کی کتابیں کیسے حل کریں؟ (اصول، طریقہ کار اور مشکلات کا جائزہ)

تالیف: مولانا محمد شہباز صاحب۔ صفحات: ۱۳۹۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر و ملنے کا پتا: آس اکیڈمی، اڈا پلاٹ، رائیونڈ روڈ، لاہور۔ فون نمبر: 0305-6953536

مولانا محمد شہباز صاحب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کے متخصصِ علومِ حدیث اور آس اکیڈمی لاہور کے استاذِ حدیث وفقہ ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے درسِ نظامی کے طلبہ اور علماء کو درپیش تعلیمی اور دیگر انواع واقسام کے سوالات واشکالات اور مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب میں مذکور چند مسائل کے چیدہ چیدہ عنوانات کا یہاں ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ قارئین کو اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو، چنانچہ چند مرکزی عنوانات درج ذیل ہیں:

''استعداد پیدا کرنے کے راہنما اصول۔ آلاتِ علم کا صحیح استعمال۔ کتبِ لغات سے استفادہ۔ لغات دیکھنے میں پیش آنے والی مشکلات، اسباب اور حل۔ صرف ونحو کی کمزوری کیسے دور کریں؟۔ لغوی ترجمہ۔ ترکیبی ترجمہ۔ فہمِ کتاب کے مراحل۔ فہمِ کتاب مشکل ہونے کی وجوہات اور ان کا حل۔ کتبِ درسِ نظامی کی چار اقسام۔ شرح میں موجود عبارات کی اغراض۔ دلیل کی اقسام اور انہیں حل کرنے کا طریقہ کار۔ فہم سے متعلق فوائد۔ حواشی وشروحات کا حل اور انتخاب۔ حاشیہ یا شرح سمجھ نہ آنے کی وجوہات۔ اردو شروحات کے نقصانات اور عربی کے فوائد۔ نفسیاتی مسائل اور ان کا حل۔ اختتامی نصائح۔''

کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب، جلد بندی مضبوط اور کاغذ اعلیٰ ہے، مگر کتاب کی کرننگ اور سیٹنگ کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دی گئی، جا بجا الفاظ کے درمیان بلاوجہ فاصلے اور اسپیس دیئے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر عربی عبارات کو اُردو فونٹ میں لکھا گیا ہے۔ لائنوں کے درمیان اسپیس بھی زیادہ رکھا گیا ہے، اُمید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں ان باتوں کا خیال رکھا جائے گا۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر طالب علم اور ہر عالم کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

یہ تھے اکابرِ مظاہر

جمع وترتیب: مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب۔ صفحات: ۲۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ تراث الادب، خانیوال۔ فون نمبر: 0300-4097744

مظاہر علوم (سہارنپور، انڈیا) ہمارے مسلک اہل سنت والجماعت (دیوبند) سے تعلق رکھنے والے برصغیر کے چند معروف اور نمایاں مدارس میں سے ہے۔ زیرِ تبصرہ مجموعہ کے مرتب مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب اسی ادارے مظاہر علوم (وقف) میں مدرس اور اس کے ترجمان رسالہ ماہنامہ ''آئینہ مظاہر علوم'' کے مدیر اور درجن بھر کتابوں کے مصنف ہیں، انہوں نے مظاہر علوم کے علماء ومشائخ، اساتذہ اور بزرگوں کے تقویٰ، سادگی، اخلاص اور زہد وقناعت سے متعلق قسط وار احوال وواقعات لکھنا شروع کیے اور ''علم وکتاب'' کے نام سے ایک سنجیدہ اور باوقار واٹس اپ گروپ (جس میں ہندو پاک کے نامور اکابر علماء شامل ہیں) میں ارسال کیے۔ بالآخر سوا قساط پوری ہونے پر ان تمام مضامین کو یکجا کرکے کتابی

صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ کتاب کا تعارف ٹائٹل پر یوں کرایا گیا ہے:

''علماء مظاہر کے تقویٰ وتقدُّس، زہد وتقشُّف، علمی تبحُّر، فقہی تعمُّق، عبادت وریاضت اور سادگی وقناعت پر مشتمل بے مثال واقعات کا شاندار مجموعہ۔''

کتاب کا کاغذ عمدہ، کمپوزنگ اور سیٹنگ مناسب ہے، مگر جلد بندی میں نفاست اور صفائی نہیں ہے۔

بہرحال مادیت پرستی، نمود ونمائش، حبِ جاہ اور خود پسندی کے اس دور میں اکابر علماء ومشائخ کے تقویٰ وللّٰہیت، زہد وقناعت، سادگی اور تواضع کے تذکروں پر مشتمل یہ مجموعہ ان شاء اللہ قارئین کی اصلاح کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔

ردِالحاد اور دفاعِ اسلام

مؤلف: مولانا عتیق الرحمٰن کشمیری (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)۔ صفحات: ۹۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر و ملنے کا پتہ: اسلامی کتب خانہ، بالمقابل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون نمبر: 0335-2420737

الحاد اور دہریت' یہ دو لفظ ایک ساتھ ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، الحاد اور دہریت کا مطلب لامذہبیت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اس کے وجود اور اس کی صفات کا انکار، یا دنیا کی ہر تبدیلی کو زمانہ کی طرف منسوب کیا جائے اور کسی قانون اور ضابطہ کے بغیر اپنی خواہش نفسانی کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ زیرِتبصرہ کتابچہ (جیسا کہ عنوان سے واضح ہے) دہریت اور خدا کے وجود کا انکار کرنے والے منکرین کے نظریات کی تردید، منکرینِ خدا کی طرف سے کیے گئے اشکالات کے جوابات، دینِ اسلام کے دفاع اور وجودِ باری تعالیٰ کے دلائل پر مشتمل ہے۔ مؤلف موصوف نے درج بالا موضوع کو قرآنی اور عقلی دلائل سے سمجھایا ہے۔ اس موضوع سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے یہ کتابچہ کافی حد تک معاون ہے، اور بنیادی ضرورت پوری کرتا ہے۔ خدانخواستہ کوئی شخص اس فتنہ کا شکار ہو تو اسے بھی مطالعہ کے لیے دیا جا سکتا ہے۔

کتاب کی کرننگ اور فنی سیٹنگ کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، اُمید ہے اگلے ایڈیشن میں اس کا خیال رکھا جائے گا۔

مقامِ امامِ عصرؒ (حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ)

ترتیب: مولانا مفتی محمد زبیر اشرف صاحب (میمن)۔ صفحات: ۳۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۂ زبیر کراچی، فون نمبر: 0334-0203410

زیرِنظر رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالاتِ زندگی اور اُن کی علمی و دینی خدمات کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ آپؒ کی چند قیمتی نصائح بھی اس کتابچہ کا حصہ ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس رسالہ کو قارئین کے لیے نافع بنائے، آمین

تعلیم الإنشاء اردو شرح معلم الإنشاء (حصہ اول)

ترتیب: مولانا ارشاد احمد سلارزئی صاحب۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ الحماد، دکان نمبر: ۸، بالمقابل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون نمبر: 0334-3455955

مدارس کے نصاب ''درسِ نظامی'' کے ابتدائی اور وسطانی درجات میں عربی زبان سیکھنے کے لیے مختلف معاون علوم مثلاً نحو و صرف کی کتابوں کے ساتھ ساتھ لغت اور گرائمر کی بھی کوئی نہ کوئی کتاب ضرور شامل ہوتی ہے، انہی کتب میں سے درجہ ثانیہ میں پڑھائی جانے والی حضرت مولانا عبدالماجد ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''معلم الإنشاء'' (حصہ اول) ہے، اس کا دوسرا حصہ درجہ ثالثہ میں پڑھایا جاتا ہے۔ زیرِتبصرہ کتاب ''معلم الإنشاء'' (حصہ اول) کی شرح ہے۔

ہمارے خیال میں اس طرح کی تمرین اور مشق سکھانے والی کتب کی شرح لکھنا کوئی زیادہ قابلِ تحسین عمل نہیں ہے، طلبہ کے لیے نقصان دہ ہے، اس سے ابتدائی طلبہ کی استعداد کمزور رہ جاتی ہے۔ سستی اور تساہل کے دور میں بچوں سے جو کچھ اُمید مشق کی ہوسکتی تھی، اس طرح کی شروحات کی وجہ سے وہ بھی ختم ہوجاتی ہے، تحتانی اور چھوٹے درجات کی عربی اور گرائمر کی کتب کا مقصد طلبہ میں مشق اور تمرین کے ذریعہ استعداد اور صلاحیت پیدا کرنا ہے، طلبہ خود محنت کریں گے اور لغت و ڈکشنری سے خود دیکھ کر مشق کریں گے تو ان میں صلاحیت اور نکھار پیدا ہوگا۔

بہرحال کتاب کی کمپوزنگ، سیٹنگ، ٹائٹل، کاغذ، طباعت سب عمدہ سے عمدہ ہیں اور طباعت دو رنگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شرح سے ہونے والے ممکنہ نقصان سے طلبہ کو محفوظ فرمائے اور دیگر قارئین کو اس سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

زمیں کے تارے

تالیف: مولانا عبدالخالق ہمدرد صاحب۔ صفحات: ۳۴۹۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مطبوعات ریشہ، اسلام آباد۔ فون نمبر: 0315-9599955

زیرِتبصرہ کتاب کے جامع و مرتب مولانا عبدالخالق ہمدرد صاحب ہیں، جو جامعہ علومِ اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اسکول، کالج اور مدارس (بشمول جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) کے اساتذہ (جن سے انہوں نے پڑھا) کے شخصی حالات وواقعات، اُن کا طریقۂ تدریس، اور اپنے زمانۂ طالب علمی میں پیش آنے والے دلچسپ اور سبق آموز واقعات واحوال لکھے ہیں۔ واضح رہے کہ اس کتاب میں موصوف کے ان اساتذہ کا تذکرہ ہے جن سے انہوں نے ۱۹۹۸ء تک کسی بھی ادارے میں پڑھا ہے، اس کے بعد کے اساتذہ کے ذکر سے یہ کتاب خالی ہے۔ کتاب کے مندرجات سے متعلق مؤلف موصوف لکھتے ہیں:

''اساتذہ سے میرے تعلقات درسگاہ کی حد تک رہے ہیں، اس لیے کسی کی نجی زندگی یا تاریخی حالات کا بہت کم علم ہے، اس لیے ہر شخصیت کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جواب لکھنے کی کوشش کروں گا: ۱:۔ فلاں کون تھا؟۔ ۲:۔ ۲ ان سے کیا پڑھا؟۔ ۳:۔ پڑھانے کا انداز کیسا تھا؟۔ ۴:۔ ان سے متعلق متفرق، دلچسپ واقعات اور علمی نکات۔''

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اِس کتاب کے لکھنے کی ایک بڑی وجہ مؤلف کا اپنے اساتذہ کرام سے عقیدت ومحبت کا تعلق ہے، مگر اساتذہ کی عقیدت ومحبت کا تقاضا یہ بھی تھا کہ کم از کم ان اساتذہ سے منسوب کتاب میں اُن کے مسلک ومشرب کی بھی رعایت کر لی جاتی، لیکن یہاں مؤلف موصوف سے چوک ہوئی اور کتاب کے بیک ٹائٹل پر اپنی تصویر چھاپ دی، جس کی یہاں دنیوی اور شرعی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جن اساتذہ کے ہاں مختلف فیہ ڈیجیٹل تصویر حرام ہو، ان سے منسوب کتاب کو متفق علیہ حرام ''پرنٹڈ تصویر'' سے آلودہ کرنا چہ معنی دارد؟ کتاب میں مذکور ''زمیں کے تاروں'' میں کیسے کیسے اساطینِ علم وتقویٰ کا تذکرہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ''عند ذکر الصالحين تنزل الرحمة''، یعنی ''نیک لوگوں کے تذکرے کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔'' کیا ہی اچھا ہوتا کہ نزولِ رحمت کا سبب بننے والی کتاب میں ''الملائكة لا تدخل بيتا فيه صورة'' کا سبب اختیار کر کے رحمتِ خداوندی سے دوری کے اسباب پیدا نہ کیے جاتے۔

نیز فہرست کے عنوانات اور صفحات کے نمبرات میں مطابقت نہیں ہے، فہرست میں دیئے گئے صفحہ نمبر پر مطلوبہ عنوان نہیں ملتا، کہیں دو تین صفحات کا فرق ہے اور کہیں یہ فرق زیادہ بھی ہو گیا ہے۔

بہرحال کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب، کاغذ بہتر اور جلد بندی مضبوط ہے۔